اُردو کا کلاسیکی ادب

۱۲۱۷ھ

# مذہبِ عشق

۱۸۰۳ء

از

نہال چند لاہوری

مرتبہ

خلیل الرحمٰن داؤدی

مجلسِ ترقیِ ادب ○ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۷

اُردو کا کلاسیکی ادب

۱۲۱۷ھ

# مذہبِ عشق

۱۸۰۲ء

از

نہال چند لاہوری

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

ناشر

سید امتیاز علی تاج (ستارۂ امتیاز)

ناظم

مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع

کتاب : ویڈنگ پرنٹنگ پریس - لاہور

سرورق : زرین آرٹ پریس - ۶۱ ، ریلوے روڈ - لاہور

۱۹۶۱

طبع اول ۲۰۰۰

# فہرست مطالب کتاب

عنوان | صفحہ

# مقدمہ مذہبِ عشق

## تاج الملوک اور بکاولی کی مختلف داستانیں

قصۂ تاج الملوک اور گل بکاولی سے ہمارا ذہن فوراً مثنوی گلزارِ نسیم مصنفہ پنڈت دیا شنکر کول نسیم لکھنوی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ زیادہ تکلف کیا جائے تو اس کے پس منظر میں ایک اور نثری تالیف ''مذہبِ عشق'' نظر آتی ہے جو نہال چند لاہوری کے قلم کا شاہکار ہے، یعنی پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی کا قصہ طبع زاد نہیں، بلکہ اس کی بنا ایک نثری قصے پر ہے۔ چنانچہ نسیم خود فرماتے ہیں:

وہ نثر ہے، دادِ نظم دوں میں　　اس مے کو دو آتشہ کروں میں

جب ہم ''مذہبِ عشق'' کو دیکھتے ہیں تو اس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اردو نثری تالیف کی اساس ایک فارسی نثری قصہ ہے، جس کے مصنف شیخ عزت اللہ بنگالی ہیں اور اس کا سن تصنیف ۱۱۲۴ھ ہے۔

بظاہر قصۂ تاج الملوک اور بکاولی کی یہی کڑیاں نظر آتی ہیں کہ یہ قصہ اصلاً فارسی نثر میں عزت اللہ بنگالی نے ۱۱۲۴ھ میں لکھا۔ اس کے بعد اسے اردو نثر میں نہال چند لاہوری نے ۱۲۱۷ھ میں منتقل کیا اور مذہبِ عشق عنوان قرار دیا۔ آخر میں دیا شنکر نسیم لکھنوی نے ۱۲۵۴ھ میں اسے اردو نظم کا جامہ پہنایا اور گلزارِ نسیم نام رکھا۔ لیکن مجھے اس قصے کی تحقیق کے دوران اور بہت سی گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملا ہے

جس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ قصہ عزت اللہ بنگالی کی فارسی نثر ۱۲۱۴ھ سے پہلے بھی اردو یاد کی زبان میں محفوظ تھا اور نسیم لکھنوی کی گلزارِ نسیم (۱۲۵۴ھ) سے پہلے بھی یہ قصہ اردو نظم کے قالب میں ڈھل چکا تھا۔ نہ تو عزت اللہ بنگالی کا فارسی قصہ ہی ان کا طبع زاد ہے اور نہ ہی دیا شنکرنسیم کی گلزارِ نسیم بکاولی کے قصے کی پہلی اردو نظم ہے۔ عزت اللہ بنگالی کی تصنیف (۱۱۲۴ھ) سے پہلے کی دو کتابوں کا سراغ ہمیں شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر سے ملتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے کہ ایک اردو مثنوی ''تحفۂ مجالس سلاطین'' میں بھی قصہ گل بکاولی نظم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگرمثنوی کےاس نام کوتاریخی بتاتے ہیں اور اس سے سن ۱۱۵۱ھ نکالتے ہیں۔ یہ غلط ہے، کیوں کہ اس سے سن ۷۸۶ برآمد ہوتے ہیں۔ گارسان دی تاسی نے بھی ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان جوں کا توں نقل کر دیا ہے اور اس نام سے تاریخ نکالنے کی خود زحمت گوارا نہیں فرمائی ہے۔ گارسان دی تاسی کی معلومات کی کیفیت تو یہ ہے کہ وہ گلزارِ نسیم کے مصنف نسیم کو آگرہ کالج کا پروفیسر بتاتے ہیں۔ (خطبات گارسان دی تاسی صفحہ ۱۰۰)۔

ہمیں گارسان دی تاسی سے زیادہ تعجب رام بابو سکسنہ پر آتا ہے جو تاریخ ادب اردو میں اس مثنوی کا نام ''تحفۃ المجالس'' لکھ کر اس سے سن ۱۰۵۳ھ نکالتے ہیں اور اپنا ماخذ نہیں بتاتے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالے ''اردو کی نثری داستانیں'' کی ترتیب کے دوران رام بابو سکسنہ کو متعدد خطوط لکھے کہ وہ اپنے ماخذ کا نام بتا دیں تاکہ مثنوی کے درست نام اور صحیح سنِ تصنیف کا پتہ چل جائے، لیکن سکسنہ صاحب ہمیشہ ٹالتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ راز اپنے

سینے میں لے کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

ڈاکٹر اسپرنگر نے ہی گل بکاولی کے ایک اور دکنی نسخے کا پتہ دیا جو اودھ کے بارود خانے کے کتاب خانے میں محفوظ تھا اور ۱۰۳۰ھ کا تصنیف شدہ تھا۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے علاوہ اور کسی صاحب نے اس نسخے کی، یا اس کی کسی اور نقل کی، نشان دہی نہیں فرمائی۔ بہر حال ہم ڈاکٹر اسپرنگر کی شہادت کو کسی صورت سے بھی ساقط الاعتبار یا سقیم نہیں کہہ سکتے۔ اس بیچارے کو لغو بات لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے بیان کی رو سے ایک اردو مثنوی ''تحفۂ مجالس سلاطین'' (بقول رام بابو سکسنہ ''تحفة المجالس'' جس کا سن وہ ۱۰۵۳ نکالتے ہیں) اور دوسرا دکنی نسخہ، جس کا سنِ تصنیف ۱۰۳۰ ہے، قصۂ بکاولی سے متعلق ہیں۔ چونکہ دونوں کتابیں عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصے (۱۱۲۴ھ) سے پہلے معرضِ وجود میں آچکی تھیں، اس لیے عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصے کو ہم بکاولی کا اولین قصہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ بات دوسری ہے کہ نہال چند لاہوری کے پیش نظر صرف عزت اللہ بنگالی کا فارسی قصہ رہا ہو اور اسے اردو مثنوی ''تحفة المجالس'' اور دکنی نسخے (۱۰۳۰ھ) کا علم نہ ہو۔

جس طرح یہ مسلّم ہے کہ عزت اللہ بنگالی کا فارسی قصۂ تاج الملوک اور گل بکاولی کی داستان اولین نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزار نسیم (۱۲۵۴ھ) کا ماخذ نہال چند لاہوری کا اردو قصہ مذہبِ عشق ۱۲۱۷ھ ہی نہیں ہے بلکہ نسیم کے سامنے اس قصے پر مشمول کم از کم ایک اردو مثنوی مسمیٰ بہ ''باغ و بہار'' (۱۲۱۲ھ) مصنفہ ریحان الدین ریحان لکھنوی، اور ایک فارسی مثنوی مصنفہ رفعت لکھنوی بھی ہیں، یہ دونوں مثنویاں نسیم سے پہلے لکھی جا چکی تھیں اور نسیم نے ان

دونوں مثنویات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے اشعار کے مطالب ہی اپنے یہاں نہیں لیے ہیں ، بلکہ لا تعداد اشعار اور مصرعے بلا کسی لفظی تبدیلی کے جوں کے توں اپنے یہاں ، بلا کسی اعتراف کے، نقل کر لیے ہیں اور وہ اشعار اپنی تصنیف ظاہر کیے ہیں ۔ سرقہ اور خیانت کی اس سے بدتر اور شرمناک مثال اور کیا ہوگی جس کا مظاہرہ گلزار نسیم کے مصنف نے کیا ہے ۔ کاش یہ چیزیں آنجہانی پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی کو بھی معلوم ہو جاتیں لیکن پنڈت جی کو کیوں نہیں معلوم ہوگا ۔ چکبست نے ۱۹۰۵ء میں اپنے فاضلانہ اور ناقدانہ مقدمے کے ساتھ گلزار نسیم کا وہ ایڈیشن شائع کیا تھا جس پر ''معرکۂ چکبست و شرر'' ظہور میں آیا اور کم از کم دو سال تک اس بر صغیر پاک و ہند کے فضلا اس میں حصہ لیتے رہے ۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ماہنامہ مخزن کے نومبر و دسمبر ۱۹۰۸ء کے شماروں میں ایک مضمون بعنوان ''مثنوی باغ بہار'' شائع ہوا ۔ اس زمانے میں یہ مثنوی مولوی عبداللہ خاں مہتمم کتابخانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن کے ہاتھ لگی تھی اور مولوی سید خورشید علی صاحب نے یہ مضمون تحریر فرمایا تھا ۔ وہ رقمطراز ہیں :

''مثنوی باغ بہار ، گل بکاولی کے مشہور قصے سے متعلق ہے ۔ ریحان الدین لکھنوی المتخلص بہ ریحان نے ۱۲۱۱ھ میں اپنے کسی عزیز دوست کی فرمائش پر اسے لکھا ۔ اس کا نام تاریخی ہے، جس سے بحساب جمل ۱۲۱۱ کے اعداد نکلتے ہیں ۔ افسوس ہے کہ ریحان لکھنوی کے حالات مطلقاً معلوم نہیں اور نہ خود اس کتاب سے ان پر کوئی روشنی پڑتی ہے ۔ اس مثنوی میں ریحان نے نثر کے پورے قصے کو نظم کا جامہ پہنایا ہے.....مثنوی کے چار ہزار سے زائد اشعار ہیں جن میں تسلسل اور ربط کلام ، جو مثنوی کی جان ہے ، بدرجۂ اتم موجود ہے ۔

اس کتاب کے دیکھنے سے اس خیال کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے کہ مثنوی گلزارِ نسیم جو اس مثنوی کے لکھے جانے کے ۴۴ سال بعد ۱۲۵۴ھ میں لکھی گئی، مثنوی باغ بہار کا نقشِ ثانی ہے۔ باغ بہار کے اکثر مصرعوں اور شعروں کا لفظ بہ لفظ یا بالکل تھوڑے سے تفاوت سے گلزارِ نسیم میں موجود ہونا خود اس خیال کا بہت بڑا مویّد ہے کہ نسیم کی نظر سے یہ مثنوی ضرور گزری ہے"۔ اس کے بعد مضمون نگار نے گلزارِ نسیم اور باغ بہار کے لا تعداد شعار مقابلۃً پیش کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مثنوی باغ بہار (۱۲۱۱ھ) کے بے شمار اشعار یا تو من و عن یا بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ گلزارِ نسیم میں لے لیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود نسیم کا یہ کہنا کہ:

وہ نثر ہے، دادِ نظم دوں میں اس مے کو دو آتشہ کروں میں

اور پہلے سے منظوم قصے کے اشعار کو بلا اعتراف اپنے کلام میں شامل کرنا اور پھر اس کے مداحین کا یہ دعویٰ کہ گلزارِ نسیم بکاولی کی اولین منظوم داستان ہے، کسی حد تک درست ہے۔ میری نظر سے کوئی ایسا مضمون نہیں گزرا جو چکبست نے اس الزام کی صفائی کے طور پر لکھا ہو، حالانکہ چکبست اس کی اشاعت کے ۱۸ سال بعد تک زندہ رہے۔ تاج الملوک اور بکاولی کی منظوم داستان کے سلسلے میں اس کے بعد بھی لکھا گیا۔ سید ظہور حسن رام پوری کا مضمون "مثنوی گلزارِ نسیم کے ماخذ" ماہ نامہ "معارف" اعظم گڑھ کے اگست ۱۹۴۶ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ مضمون نگار کے پاس دو قلمی مثنویاں تھیں جن میں ایک اردو مسمیٰ بہ باغ و بہار مصنفہ ریحان الدین لکھنوی اور دوسری بہ زبان فارسی، مصنفہ رفعت لکھنوی۔ مضمون نگار نے دعویٰ کیا کہ ان دونوں مثنویوں کو گلزارِ نسیم کی اساس

اور اصل قرار دیا جا سکتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں ''ان تینوں مثنویوں کا ایک ہی قصے سے تعلق ہے ۔ یہ ایک ہی بحر ہے.....اکثر مصرعوں اور اشعار کا لفظ بہ لفظ مثنوی گلزارِ نسیم میں موجود ہونا خود اس خیال کا بڑا موید ہے کہ نسیم کی نظر سے پہلی یا دوسری یا دونوں مثنویاں ضرور گزری ہیں ۔ باغ بہار کا سال تالیف ۱۲۱۱ھ ہے ۔ رفعت لکھنوی نے اپنی فارسی مثنوی میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ افسانہ انھیں نثر میں ملا ، لیکن اس کے بعض بعض مصرعوں اور شعروں کا ہو بہو ترجمہ گلزارِ نسیم میں پایا جاتا ہے ، جس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رفعت لکھنوی نسیم سے پہلے گزرے ہیں''۔

ڈاکٹر گیان چند (''اردو کی نثری داستانیں'' طبع اول ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۶۲) کا خیال ہے کہ محولہ بالا فارسی مثنوی کے مصنف شیخ فرحت اللہ فرحت عظیم آبادی، شاگرد راسخ عظیم آبادی ہیں ۔ چونکہ یہ مثنوی میری نظر سے نہیں گزری اس لیے میں نہیں کہ سکتا کہ اس کے مصنف رفعت لکھنوی ہیں یا فرحت عظیم آبادی ۔ لیکن چونکہ یہ مثنوی ڈاکٹر گیان چند نے بھی نہیں دیکھی۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ''معارف'' اگست ۱۹۴۶ء کو دیکھ کر ہی لکھا ہے ، اس لیے انھیں مضمون نگار سید ظہور حسن رام پوری کے بیان پر اعتماد کرنا چاہیے جو اس کے مصنف کا نام رفعت لکھنوی تحریر فرماتے ہیں ۔

بہر حال اتنا تو ثابت ہو گیا ہے کہ گلزارِ نسیم کی تصنیف کی اساس نہال چند لاہوری کے نثری حصے کے علاوہ مثنوی باغ بہار مصنفہ ریحان الدین لکھنوی پر بھی ہے ، جو گلزارِ نسیم سے ۴۴ سال پیشتر لکھی جا چکی تھی اور جس کے اکثر اشعار لفظ بہ لفظ گلزارِ نسیم میں بلا کسی اعتراف کے نقل

کر لیے گئے ھیں۔ (دیکھیے ماھنامہ مخزن بابتہ نومبر و دسمبر ۱۹۰۸ء) - اس بحث کے آخر میں ھم اس نتیجے پر پہنچے ھیں کہ اردو اور فارسی میں 'گل بکاولی کی داستان مرقومۃالذیل معلوم نسخوں میں محفوظ ھے:

(۱) دکنی نسخہ ۱۰۳۵ھ جس کا ذکر اسپرنگر نے کیا ھے کہ اودھ کے بارود خانے کے کتاب خانے میں محفوظ تھا۔

(۲) تحفۂ مجالس سلاطین (اردو مثنوی) ۱۰۷۳ھ - اس کا ذکر پہلے اسپرنگر نے، (فہرست کتاب خانۂ شاھان اودھ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) وھاں سے لے کر گارسان دی تاسی نے (ترجمہ خطبات گارسان دی‌تاسی، مطبوعہ انجمن ترقیٔ اردو ھند) اور پھر رام بابو سکسینہ نے (تاریخ ادب اردو) کیا ھے۔

(۳) فارسی نثر - ۱۱۲۴ھ - مصنفہ شیخ عزت‌اللہ بنگالی۔

(۴) فارسی مثنوی، مصنفہ رفعت لکھنوی (معارف اگست ۱۹۴۶ء) یا بقول ڈاکٹر گیان چند فرحت عظیم آبادی (اردو کی نثری داستانیں) -

(۵) مثنوی باغ بہار - ۱۲۱۱ھ۔اردو نظم، مصنفہ ریحان‌الدین المتخلص ریحان لکھنوی (مخزن بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۸ء) - یہ اچھی خاصی طویل اردو مثنوی ھے جس میں چار ھزار سے زائد اشعار ھیں - یہ مثنوی گلزارِ نسیم سے ۴۳ سال قبل لکھی جا چکی تھی۔

(۶) مذھبِ عشق - ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۷ھ۔اردو نثر از نہال‌چند لاھوری۔ یہ شیخ عزت‌اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کا ترجمہ ھے۔

(۷) مثنوی گلزارِ نسیم ۱۲۵۴ھ - اردو مثنوی از پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی -

# مذہبِ عشق

نہال چند لاہوری نے مذہبِ عشق کے دیباچے میں شیخ عزت‌اللہ بنگالی کے فارسی قصے کو اپنی تالیف کی اساس قرار دیا ہے۔ نہال چند لاہوری نے مذہبِ عشق کی تکمیل ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں کی تھی اور ۱۸۰۴ء میں اس کا پہلا ایڈیشن فورٹ ولیم کالج سے شائع ہوا تھا۔ تعجب ہے کہ جو کتاب آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اتنی مقبول اور عام تھی کہ ڈاکٹر گلکرسٹ کو اس کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کے پیشِ نظر اس کے اردو ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو اور اس کا ترجمہ کرا بھی ڈالا ہو، وہی کتاب آج بالکل نایاب ہے۔ مجھے تو کسی کتاب خانے کی فہرست میں شیخ عزت‌اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کا تذکرہ نہیں ملا۔ تعجب ہے کہ صرف ڈیڑھ صدی میں ہی اتنی مقبول داستان بالکل معدوم ہو جائے اور اس کا ایک نسخہ بھی کہیں محفوظ نہ ہو۔

بہر حال شیخ عزت اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کا تو کہیں پتہ نہیں، لیکن اس کا اردو ترجمہ جو نہال چند لاہوری نے ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں مذہبِ عشق کے نام سے کیا تھا بے حد مقبول ہوا۔ باوجودیکہ اس کی تالیف کو ڈیڑھ صدی گزر چکی ہے لیکن اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس کی مختلف اشاعتوں سے کیجیے جو گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں مختلف مطابع سے ظہور میں آئی ہیں۔ لنگوسٹک سروے آف انڈیا کی جلد نہم کے حصۂ اول مطبوعہ کلکتہ ۱۹۱۶ء میں مذہبِ عشق کی مختلف اشاعتوں کی تفصیل درج ہے۔ اگرچہ چند ایسے ایڈیشن اور بھی شائع ہوئے ہیں جو اس فہرست میں شامل ہونے سے رہ گئے۔ ذیل میں نہال چند لاہوری کی اس کتاب کی مختلف اشاعتوں کی نشان دھی

کر رہا ہوں جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوگا۔ اشاعت اول کلکتہ ۱۸۰۴ء ۔ اس کی دوسری اشاعت میر شیر علی افسوس کی نظر ثانی کے بعد کلکتے سے ہی ۔ اس کے بعد ردبک کی نظر ثانی کے بعد کلکتے سے ہی ۱۸۱۵ء میں ۔ اس کے بعد محمد فیض اور محمد رمضان کا مرتبہ ایڈیشن مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۷ء ۔ اس کے بعد کلکتے سے ہی ۱۸۳۲ء میں — اشاعت ششم بمبئی ۱۸۷۳ء ۔ نعمت اللہ نے ۱۸۴۴ء میں بمبئی سے سحرالبیان کے ساتھ شائع کیا ۔ مطبع دارالاسلام دھلی سے ۱۸۴۶ء میں ۔ مطبع محسنی سے نستعلیق ٹائپ میں ۔ لکھنؤ سے ۱۸۴۸ء میں ۔ بمبئی سے ۱۸۵۰ء میں ۔ کانپور سے ۱۸۵۱ میں ۔ دھلی سے ۱۸۵۲ء میں ۔ مطبع مسیحائی سے ۱۸۵۳ء میں ۔ کانپور سے ۱۸۵۹ء میں اور پھر اسی مطبع سے ۱۸۶۹ء میں ۔ دھلی سے ۱۸۷۲ء میں (ناگری رسم الخط میں) ۔ پھر اسی مطبع سے ۱۸۷۳ء میں (مصور) ۔ پھر اسی مطبع سے ۱۸۷۷ء میں ۔ کانپور سے ۱۸۷۵ء میں ۔ لکھنؤ سے ۱۸۷۵ء میں ۔ لکھنؤ سے اسی سن میں دوبارہ ۔ کانپور سے ۱۸۷۶ء میں ۔ دھلی سے ۱۸۷۶ء میں ۔ کانپور سے ۱۸۷۷ء میں (مصور)۔ اسی مطبع سے دوبارہ ۱۸۷۹ء میں ۔ دھلی سے ۱۸۷۹ء میں ۔ مدراس سے ۱۸۷۹ء میں ۔ دھلی سے ۱۸۸۱ء میں مصور ۔ بنارس سے ۱۸۸۷ء میں ۔ کانپور سے ۱۷۸۹ء میں ۔ الہ آباد سے ۱۹۲۷ء میں ۔ صرف مطبع نولکشور سے ۳۸ویں بار ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا ہے ۔

اس کا انگریزی ترجمہ لفٹننٹ آر ۔ بی انڈرسن سے کیا تھا جو دھلی سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس سے پہلے بھی اس کا انگریزی ترجمہ ٹی پی مینول کر چکے تھے ۔

جرنل ایشیاٹک کی جلد دوم کے حصہ شانزدھم کے صفحات ۱۹۳ اور ۳۸۸ پر اس کی تلخیص رومن ہندوستان میں ۱۸۳۰ء

میں شائع ہوئی ۔ اس کے بعد یہ علٰحدہ بھی شائع کیا گیا ۔ گارسان دی تاسی نے ۱۸۳۰ء میں پیرس سے شائع کیا ۔

اس کے بعد گارسان دی تاسی نے ۱۸۵۸ء میں پیرس سے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا ۔

مذہبِ عشق کا ہندی ترجمہ بیج سنگھ ورما نے ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ سے شائع کیا تھا ۔

مرقومہ بالا اشاعتوں کی تفصیلات سے مذہبِ عشق کی مقبولیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا ۔ محض ایک مطبع نولکشور لکھنؤ سے یہ ۳۸ بار شائع کیا گیا ۔ اردو تھیٹر نے اس داستان سے تین ناٹک برآمد کیے ۔ پہلا گل بکاولی ، دوسرا سنگین بکاولی اور تیسرا چترا بکاولی ۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے قبولیتِ عام چترا بکاولی کو ہی نصیب ہوئی ۔

## نہال چند لاہوری کے حالات

تعجب ہے کہ اتنی مقبول کتاب کے مؤلف کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں ۔ آج تک محققین کو محض ان چند سطور پر اکتفا کرنا پڑا جو خود نہال چند نے مذہبِ عشق کے دیباچے میں تحریر فرمائی ہیں ۔ ان چند معمولی باتوں کے علاوہ اور کسی شخص کو آج تک اس کے حالات کا سراغ نہ مل سکا ۔ وہ چند سطور یہ ہیں :—

"اس کتاب کے ترجمے کا یہ سبب ہے کہ مستمد نہال چند لاھوری کو کہ اس نحیف کا مولد شاھجان آباد ہے ، اشرف البلاد کلکتے میں کہ بالفعل ہندوستان کا دارالامارۃ ہے ، آب و خورش کھینچ کر لائی اور یہ خاکسار کپتان ولورٹ[1] صاحب بہادر کی

---

۱ - مجھے تمام مطبوعہ نسخوں میں "کپتان ولورٹ" ملا ہے لیکن ان دونوں نسخہ جات میں جو اس کتاب کی تصحیح کے دوران میرے پیش نظر رہے ہیں "ڈیوڈ روبرٹ سن" درج ہے ۔

خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا ۔ ان کی دست گیری سے صاحب خداوندِ نعمت صاحب گل کرسٹ صاحب مدظلہ کے دامنِ دولت تک دسترس پایا ۔ غرضیکہ صاحب بہادر کے تفضّلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی اور امید زیادہ تر ہونے لگی کہ اگر بخت مددگار ہے اور یہ دامنِ دولت اپنے ہاتھ ہے تو حشمت قدم کے ساتھ ہے۔ پھر ایک روز خداوندِ نعمت نے ارشاد کیا کہ تاج الملوک اور بکاؤلی کا قصہ فارسی میں ہے ، ہندی ریختہ کے محاورے میں ترجمہ کر کہ تیری سرخروئی اور یادگاری کا موجب اور ہماری خوشنودی کا باعث ہو ۔ چنانچہ اس نحیف نے حسب ارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلے کے موافق فلاطون فطنت مارکوئیس ولزلی نواب گورنر جنرل دام اقبالہ کے عہد میں ہندی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام مذہبِ عشق رکھا "۔

یہ ہیں کل حالات جو نہال چند نے خود لکھے ہیں ۔ اس سے زیادہ اس کے حالات پر اور روشنی نہیں پڑتی ۔

نہال چند نے شیخ عزت اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کا اردو میں ترجمہ کیا تھا لیکن وہ فارسی نسخہ آج ناپید ہے ۔ اس کی کیفیت جو نہال چند نے خود تحریر فرمائی ہے یہ ہے :-

"اب ناظرین پر روشن ہو کہ شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی ۔ اس نے اس کا سبب یوں لکھا ہے کہ "طالب علمی کے ایام میں اس فقیر کو انشاپردازی کے فن میں رغبت تمام تھی اور مسودے بھی کاغذ پر لکھ چھوڑتا تھا ۔ ایک روز رفیقِ شفیق نذر محمد کہ ۹ برس تک اس شوریدۂ جانکاہ کا مرغ دل اس شمع جمال پر پروانے کے مانند حیران اور ذرّے کی طرح اس آسمان ملاحت کے خورشید پر سرگرداں تھا ، چکور کی مانند خراماں آیا ...... اور جیسی کہ ہمارے اور اس کے بیچ میں دوستی تھی ، ویسی ہی طرح کبھی اپنا ہاتھ لا میرے کاندھے

دھرتا اور کبھی میری گود میں آ بیٹھتا ۔ آخرش جام لب کو تکلم کی شراب سے بھر کر ہر وضع کی نرم نرم باتوں سے محبت کی آشفتگی کا بازار گرم کیا ۔ یہ شوریدۂ حال بھی اس فرشتہ خصال سے متکلم رہا ۔ پھر میرے زانوں کا تکیہ لگا کر کہنے لگا کہ مجھ کو نیند آئی ہے ۔ جب تک میں سوؤں تم بیٹھے کوئی کہانی کہو ۔ پہلے تو میں نے چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ لیٹ رہوں لیکن پھر خیال میں گزرا کہ شاید بدھو یہ نہ سوچے کہ میرا کہنا نہ مانا ۔ تد وہ قصہ کہ جس کی ہر ایک داستان عشق ھی سے بھری ہوئی تھی ، اس سرمایۂ بہجت و سرور کے آگے کہنے لگا ۔ من بعد اس یار ارجمند کی خواہش اس سمند کو اس پر لائی کہ اس دلچسپ قصے کو فارسی کی عبارت کا لباس پہنا کر نظم و نثر کے زیور سے آراستہ کر کے مشکل پسند دیکھنے والوں کی دید کے لائق کروں ۔ اس میں غرہ ذی‌الحجہ ، کہ سن ایک ہزار ایک سو چوبیس ھجری تھے ، اس نوبادۂ باغ دل و دیدہ کے تئیں موت کی صرصر نے جڑ سے اکھاڑ ڈالا ۔ اس واقعۂ جانکاہ سے اس مصیبت زدہ کے ہوش و حواس کا طائر اڑ گیا ۔ چاہا کہ اوراق مسودات اس افسانے کے بھی پرزے پرزے کر ڈالوں لیکن چند دوستوں نے کہ ایک‌گونہ پاس خاطر ان کی منظور تھی، آ کر سمجھایا اور کہا بیت :—

آساں بہت ہے لعل بدخشاں کا توڑنا
لیکن نپٹ محال ہے پھر اس کا جوڑنا

بحکم ضرورت آدھی کو فارسی کیا اور آدھا جیوں کا تیوں رکھا ‘‘۔

یہ ہے شیخ عزت‌اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کی کیفیت ۔ اس سے زیادہ اس نسخے کا حال معلوم نہیں ہوتا ۔ عزت‌اللہ کی اپنی تحریر سے یہ ثابت ہے کہ ۱۱۲۴ھ میں نذر محمد کی وفات کے بعد اس نے آدھی داستان کو فارسی کا جامہ پہنایا اور آدھی کو اسی

صورت میں رکھا ۔ تعجب ہے کہ ایسی واضح اور صریح شہادت کی موجودگی میں بھی ڈاکٹر گیان چند، عزت‌اللہ والے فارسی نسخے کو ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء کا بتاتے ہیں ۔ مولوی سید محمد صاحب نے ''ارباب نثر اردو'' میں ۱۲۲۴ھ لکھا ہے، جو ظاہر ہے کہ کتابت کی غلطی ہے ۔ ان کی مراد ۱۱۲۴ھ ہی ہے ۔

## نہال چند لاہوری والا نسخہ

لیکن نہال چند لاہوری نے شیخ عزت‌اللہ بنگالی کے نسخے کا لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ نہال چند لاہوری کے اپنے الفاظ میں :

''.... لیکن نظم کتاب کو کتنے موقع میں بالکل چھوڑ دیا اور بعضے مقام میں جو مناسب دیکھا تو بطور انتخاب کے ترجمہ کیا، کہیں تو نظم میں اور کہیں نثر میں ۔ سوا اس کے عبارت کی ترکیب بھی بعضے مواقع میں بدلی ہے، بلکہ کہیں کہیں قلم انداز کی ہے ۔ اب صاحبانِ سخن رس اورنکتہ دان صبح نفس سے یہ امید ہے کہ جہاں کہیں عبارت کے میدان میں نشیب و فراز پر نظر پڑے، وہاں صلاح کے قدم سے ہموار کر دیں اور اس ہیچمدان کو اپنی نوازش سے ممنون فرماویں''۔

## مذہبِ عشق کی کیفیت

نہال چند لاہوری اس کی تکمیل سے ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں فارغ ہوئے ۔ خود ان کے طبعزاد دو قطعات تاریخ ہیں، جن سے ہجری اور عیسوی سنین نکلتے ہیں ۔

ڈاکٹر گراہم بیلی نے اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف اردو لٹریچر (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۳۲ء کلکتہ کے صفحہ ۸۲ پر مذہبِ عشق کا سن ۱۸۰۲ء دیا ہے ۔ یہ تو کوئی بڑی غلطی

نہیں لیکن ''کاروانِ ادب'' میں جو ڈاکٹر عبدالوحید کی نگرانی میں فیروز سنز لاہور سے شائع ہوئی ، لکھا ہے ''باغ و بہار کی تالیف کی تاریخ ۱۲۰۵ھ ہے ۔ اس سال میں گل بکاولی کا قصہ بھی لکھا گیا تھا ۔ تالیف کے قریب پچاس برس بعد ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ کے مشہور شاعر پنڈت دیا شنکر نسیم نے اس قصے کو مثنوی کی صورت میں نظم کیا اور گلزارِ نسیم نام رکھا''۔

تعجب ہے کہ اس عبارت کا مصنف نہ صرف گل بکاولی کے قصے کے سن تالیف سے ہی بے خبر ہے بلکہ اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ باغ بہار ۱۲۰۵ھ میں نہیں ۱۲۱۷ھ میں تمام ہوئی تھی۔ اس عبارت کے مصنف کا اعتماد تو دیکھیے کہ ۱۲۰۵ھ کو صحیح سمجھتے ہوئے کتنا درست حساب لگاتا ہے کہ اس تالیف کے قریب پچاس برس بعد ۱۲۵۴ھ میں گلزارِ نسیم لکھی گئی - ۱۲۵۴ھ میں واقعی گلزارِ نسیم لکھی گئی اور ۱۲۰۵ھ سے ۱۲۵۴ھ تک تقریباً پچاس سال بھی ضرور ہوتے ہیں لیکن یہ سب کچھ اس وقت تو درست ہو سکتا تھا جب کہ بکاولی کا قصہ ۱۲۰۵ھ میں ہی لکھا گیا ہو ۔ لیکن اس قصے کے اختتام پر تو خود نہال چند لاہوری مؤلفِ قصہ کے اپنے قطعات تاریخ ہیں جن سے ۱۲۱۷ھ برآمد ہوتا ہے ۔ اس کی موجودگی میں ۱۲۰۵ھ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے ۔

یہ چھبیس ابواب پر مشتمل ہے ۔ ہر باب میں ایک داستان بیان ہوتی ہے ، اس لیے ہر باب کو داستان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ نہال چند نے فورٹ ولیم کالج کے دوسرے نثر نگاروں کے برخلاف اردو ترجمے میں اصل کتاب کے بہت سے فارسی الفاظ باقی رکھے ہیں اور زینت کلام کے لیے تکرار لفظی کو بھی ترک نہیں کیا ۔ یہ ترجمہ اصل سے زیادہ مطابق ہے ، اس لیے اس کا طرزِ بیان ٹھیٹ اردو کی طرح سادہ اور سلیس نہیں رہا۔

اکثر مقامات پر شاندار الفاظ اور فارسی تراکیب کے اردو ترجمے ملتے ہیں ۔ تمام کتاب پر فارسیت چھائی ہوئی ہے ۔ اس زمانے کے دوسرے مصنفین کی طرح وہ ہندی الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں ۔ فورٹ ولیم کالج کے دوسرے منشیوں مثلاً میر امن ، شیر علی افسوس اور مظہر علی درد وغیرہ کی کتابوں میں ہندی الفاظ اس قدر ہیں کہ ان کے مقابلے میں مذہبِ عشق ہندی الفاظ سے معرا ہی معلوم ہوتی ہے ۔

اس کتاب میں تشبیہات و استعارات سے کافی کام لیا گیا ہے ۔ محاورات و روز مرہ کو بہت کم استعمال کیا گیا ہے ۔ اس کتاب میں نہال چند نے جو گھریلو الفاظ استعمال کیے ہیں اور عورتوں کی زبان سے ادا کرائے ہیں وہ نگینے کی طرح جڑ دیے ہیں ۔ مثلاً مرقومۃالذیل الفاظ کا استعمال حد درجہ دلآویز اور بر محل ہے :—

آچھال چھکا ، چھتیسی ، تھتکاری ، چھنال گھوڑے ، مُچکّو ، مکر ہائی ، بھگل نکالنا ، گھسگھسی وغیرہ وغیرہ ۔

مذہبِ عشق میں ایک ہی نوع کے چند بیانات بھی ہر داستان میں آتے ہیں ۔ ان میں دنیا کی نا پائداری اور معرفت کے مضامین ہوتے ہیں ۔ یہ مثالیہ صورت میں پیش کیے ہیں ۔ بعض بعض مقامات پرخدا اور رسولؐ کے مقولات بھی بیان کیے ہیں۔ ان چیزوں سے داستان کا روپ نکھر جاتا ہے اور بقول ڈاکٹر گیان چند 'قصے میں انہاک اور استغراق کے بعد ہم اس طرح چونک پڑتے ہیں جس طرح دنیا میں پھنسے ہوئے آدمی کو یکایک رحمت کا پیغام دیا جائے'۔

مذہبِ عشق کی زبان کے متعلق حامد حسن قادری اپنی کتاب ''داستان تاریخ اردو'' طبع دوم ۱۹۵۷ء کے صفحہ ۱۲۷ پر فرماتے ہیں :

''لالہ نہال چند نے نہایت سلیس ، صحیح ، بامحاورہ اور باقاعدہ زبان لکھی ہے ۔ متروک الفاظ اور محاورے خال خال ہیں .....''۔

سیرالمصنفین کے مصنف رقم طراز ہیں :

''نہال چند کا یہ ترجمہ بہت صاف اور خوب ہے ۔ اگر ترجمے کا خیال دل میں نہ ہو تو عبارت پڑھنے سے ہرگز یہ تصور نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ ہے ، بلکہ ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا ۔ فارسی الفاظ ضرور زیادہ استعمال ہوتے ہیں لیکن جا و بے جا نہیں ، بلکہ جہاں جہاں عام طور پر بولتے ہیں وہیں ان کو لکھا ہے ۔ پھر پرانی عبارت اور موجودہ حالت میں بھی فرق ہے ۔ اس وقت کے لحاظ سے اس تحریر کو نہایت شگفتہ اور دلپذیر کہیں گے ۔ اس وقت ایک آدھ لفظ کی تبدیلی سے حال کی عبارت بن سکتی ہے''۔

(سیرالمصنفین طبع دوم ۱۹۴۸ء صفحات ۱۰۳ تا ۱۰۶)

الغرض مذہبِ عشق اردو ادبیاتِ عالیہ کی اہم کتابوں میں سے ایک ہے ۔ اب اس میں بیان کی گئی داستان کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے ۔

# داستان تاج الملوک و گُل بکاولی

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے :-

پورب میں شرقستان کے بادشاہ کا نام زین الملوک تھا۔ اس کے چار لڑکے تھے، پانچواں لڑکا انتہائی صاحب جمال و اقبال پیدا ہوا اور تاج‌الملوک اس کا نام رکھا گیا۔ منجمین کی ہدایت کے مطابق اُسے باپ کی نگاہوں سے بچایا گیا۔ جوانی کے عالم میں شکار کھیلتے ہوئے باپ بیٹے کا سامنا ہو گیا، بادشاہ بیٹے کو دیکھتے ہی بصارت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ تاج‌الملوک کو شہر بدر کیا گیا اور چاروں بیٹے باپ کی بینائی واپس لانے کے لیے گل بکاولی کی تلاش میں نکلے۔ تاج‌الملوک نے بھی اُن کا پیچھا کیا۔

چاروں شہزادے اُس مقام پر پہنچے جہاں دلبر لکھا بیسوا مشروط صورت میں چوسر کھیلتی تھی اور مد مقابل کا تمام سامان حاصل کر لیتی تھی۔ چنانچہ ان چاروں کو بھی اُس نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ تاج‌الملوک نے بھی قسمت آزمائی کی۔ دلبر لکھا کو چت کر کے اپنی بیوی بنایا۔

تاج‌الملوک کا مقصد چونکہ گل بکاولی حاصل کرنا تھا، اس لیے وہ دلبر لکھا بیسوا سے جلد واپسی کا وعدہ کر کے آگے بڑھا۔

راستے میں ایک دیو ملا جو سرحد باغ بکاولی کا چوکیدار تھا۔ دیو کو تاج‌الملوک پر رحم آ گیا۔ اُس دیو نے ایک اور دیو کو بلایا۔ یہ دیو حمالہ دیونی کا بھائی تھا اور حمالہ

باغ بکاولی کی محافظ تھی اور ۱۸ ہزار دیووں کی سردار تھی۔ اس دیو نے تاج الملوک کو اپنی بہن حمالہ کے پاس پہنچایا۔ حمالہ نے اپنی پروردہ محمودہ کے ساتھ تاج الملوک کی شادی کر دی۔

اس کے بعد حمالہ نے چوھوں کے سردار پر سوار کر کے سرنگ کی راہ سے تاج الملوک کو باغ بکاولی میں پہنچا دیا۔ اس طرح تاج الملوک باغ بکاولی میں اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں گلاب کے حوض میں گل بکاولی کھلا ہوا تھا۔

تاج الملوک نے پھول توڑا، اُسے کمر میں باندھا، باغ کی سیر کی، بکاولی کو نیم برھنگی کے عالم میں مستِ خواب پایا، اُس سے انگشتری تبدیل کی اور پھر اُسی صورت میں بل کی راہ واپس حمالہ کے پاس آیا۔

چند روز حمالہ کے یہاں ٹھہرا۔ پھر محمودہ کو ساتھ لیا اور دلبر لکھا بیسوا کے پاس پہنچا۔ یہاں پہنچ کر چاروں بھائیوں کو اُس کی قید سے رھائی دلائی اور اسیری کی علامت کے طور ان کے چوتڑوں پر داغ دلائے۔ اس کے بعد محمودہ اور دلبر لکھا کو بحری راستے سے روانہ کیا اور خود خشکی کی راہ چلا۔

تاج الملوک جس وقت حمالہ کے پاس سے روانہ ھوا تھا تو اُس نے اپنے سر کے دو بال تاج الملوک کو دیے تھے کہ اگر کسی وقت اس کی امداد کی ضرورت پیش آئے تو انھیں جلائے۔ اُن کے جلانے سے حمالہ پہنچ جائے گی۔ واپس جاتے ھوئے تاج الملوک کے بھائیوں نے اس سے غداری کی اور تاج الملوک کو زدو کوب کر کے اُس سے گل بکاولی چھین لیا اور اُسے خود لے جا کر زین الملوک کو دیا، جس کو استعمال کرتے ھی بادشاہ کی بصارت واپس آ گئی۔

اُدھر بکاولی بھی بیدار ھو گئی۔ پھول کو حوض میں

نہ پا کر اُس کی تلاش میں نکلی۔ بالآخر اسے پھول کا پتہ چل گیا اور وہ مردانہ لباس میں زین‌الملوک کے یہاں ٹھہری۔ اب اُسے محض پھول کی ھی تلاش نہیں تھی بلکہ وہ اس گلچین کی محبت کی کسک سے بھی بے تاب تھی۔ زین‌الملوک کے دربار میں پہنچ جانے اور پھول کو وھاں پانے کے باوجود اسے صحیح گلچین کا پتہ نہ چل سکا تھا۔

جب تاج‌الملوک کو اس کے بھائی راہ میں چھوڑ گئے تو اُس نے حمالہ کا دیا ھوا بال جلایا۔ حمالہ ۱۸ ھزار دیووں کو ساتھ لے کر فوراً نمودار ھوئی۔ شرقستان کی سرحد کے قریب اس نے شاھانہ عمارات بنوائیں اور تاج‌الملوک کے ساتھ وھاں فروکش ھوئی۔ اس دوران محمودہ اور لکھا بیسوا بھی پہنچ گئیں۔

زین‌الملوک کو جب سرحد کے قریب اس طرح شاھانہ عمارتوں کی تعمیر کی اطلاع ملی تو اُسے بہت تشویش ھوئی اور بالآخر خود پہنچا۔ بیٹے کو وھاں پا کر بہت خوش ھوا۔ اس طرح سے ایک زمانے کے بعد باپ بیٹے ملے۔

تاج‌الملوک نے بھائیوں کو علاحدہ کر کے محمودہ اور دلبر لکھا کو باپ کی خدمت میں پیش کیا۔ بکاولی بھی اپنے چور کی تلاش میں تھی۔ تاج‌الملوک کو دیکھتے ھی پہچان گئی اور وھاں سے پرواز کر کے اپنے باغ میں پہنچی۔

وھاں سے بکاولی نے ایک اشتیاق نامہ تاج‌الملوک کو بھیجا اور تاج‌الملوک کی جانب سے اس کا جواب دیا گیا۔ اس کے بعد بکاولی نے حمالہ کو بھیج کر تاج‌الملوک کو بلایا اور اُس کے وصال سے محظوظ ھوئی۔

جب بکاولی کی ماں جمیلہ کو اس کی اطلاع ملی تو

وہ بیٹی پر بہت بگڑی ، لیکن ایک شب تاج الملوک اور بکاولی کو اُس نے مشتبہ حالات میں پکڑ ھی لیا۔ فوراً ھی تاج الملوک کو صحرائے طلسم میں پھینکا اور بکاولی کو گلستانِ ارم پہنچایا۔

تاج الملوک ایک دریائے ذخار میں جا پڑا تھا۔ وھاں سے نکل کر جنگل میں پہنچا جس میں انواع و اقسام کے طلسم تھے۔ رات کے وقت ایک اژدھا مَن دار سانپ کو لے کر درخت کے نیچے آیا۔ تاج الملوک نے مٹی ڈال کر مہرۂ مار حاصل کیا۔

اس کے بعد تاج الملوک ''سراج القرطب'' کی تلاش میں نکلا۔ جب حوض کے قریب گیا تو اژدھا اس کی جانب لپکا۔ تاج الملوک حوض میں کود پڑا۔ وھاں سے کوّے کی شکل میں سراج القرطب کی شاخ پر پہنچ گیا۔ سراج القرطب کی یہ خاصیّت تھی کہ اگر اس کی چھال کی ٹوپی اوڑھی جائے تو دیکھنے والوں کی نظروں سے غائب ہو جائے۔ اُس کا سرخ پھل کھائے تو اصل شکل پر واپس آ جائے اور اگر سبز پھل کھائے تو کوئی ہتھیار اُسے گزند نہ پہنچائے۔ اگر کمر میں باندھ لے تو فضا اس کو سواری دے۔ اگر کسی زخم پر اس کا پتہ لگا دیا جائے تو فی الفور زخم مندمل ہو جائے اور اُس کی لکڑی سے ہر ایک تالا کھل جائے۔

تاج الملوک نے پہلے سرخ پھل کھایا جس سے اُس نے اپنی اصلی شکل حاصل کی۔ اس کے بعد اُس نے اس درخت کی تمام چیزیں پھل ، پھول ، چھال ، لکڑی ، پتے ساتھ لیے۔ زانو کو چیرا ، اُس میں مہرۂ مار رکھا۔ زخم کو پتے سے بھرا اور وھاں سے فضائی سفر اختیار کیا۔ راہ میں سنگِ مرمر کا ایک حوض دیکھا ، آترا چھال کی ٹوپی ، لکڑی وغیرہ تمام سامان حوض کے قریب چھوڑ کر اس میں غوطہ لگایا اور

جب باہر نکلا تو تمام سامان غائب پایا ۔ خود بجائے مرد کے عورت کی شکل اختیار کر چکا تھا ۔ ایک جوان کے ہاتھ لگا اور اس کے گھر جا کر ۹ ماہ بعد بچہ پیدا کیا ۔ وہاں کے حوض میں کودا تو حبشی بن کر باہر نکلا ۔

ایک حبشن اپنے خاوند کے چکّر میں اسے پکڑ کر گھر لے گئی ۔ جہاں اس کا کام کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ، انھیں بازار میں بیچنا اور اہل و عیال کی پرورش کرنا تھا ۔

تاج‌الملوک جنگل میں گیا اور وہاں ایک حوض میں کودا ، غوطہ مارتے ہی اصلی حالت میں آ گیا اور پہلے حوض کے کنارے آ لگا ۔ جہاں اسے ٹوپی ، لکڑی وغیرہ تمام سامان مل گیا ۔

تاج‌الملوک وہاں سے اڑ کر جا رہا تھا کہ راہ میں ایک ویران قلعہ ملا ۔ اترا تو دیکھا کہ بکاولی کی چچا زاد بہن روح افزا بنت مظفر شاہ قید میں پڑی ہوئی ہے ۔ اسے رہائی دلائی ۔ روح افزا ، تاج‌الملوک کو اپنے وطن جزیرۂ فردوس لائی ، جہاں مظفر شاہ نے تاج‌الملوک کی بڑی خاطر و مدارات کی ۔

روح افزا کی آمد کی خبر سن کر بکاولی کی ماں جمیلہ بھی آئی اور بکاولی کو بھی ساتھ لائی ۔ اس طرح سے ایک بار پھر روح افزا کے توسط سے تاج‌الملوک اور بکاولی ملے ۔ روح افزا کی والدہ کی سفارش سے جمیلہ نے بکاولی کو وہیں چھوڑ دیا اور روح افزا کی ماں کی کوشش سے ہی تاج‌الملوک اور بکاولی کی شادی بھی ہو گئی ۔

یہ ہے داستان تاج‌الملوک اور بکاولی کی ۔

ڈاکٹر گیان چند نے اپنے مقالے ''اردو کی نثری داستانیں'' میں اس داستان کے عناصر ترکیبی کا تجزیہ کیا ہے ۔ اس سلسلے

میں موصوف کی بحث کافی معلومات افزا ہے جسے اقتباساً پیش کرتا ہوں :

''اس داستان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

(۱) پہلا حصہ تاج‌الملوک اور بکاولی کی شادی کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ قصہ یہیں ختم ہو گیا تو بجا ہے ۔ اس حد تک قصے پر فارسی رنگ چھایا ہوا ہے ۔

(۲) دوسرا حصہ راجا اندر اور امرنگر کے بیان سے شروع ہوتا ہے اور بکاولی کے دوسرے جنم کے بعد اصلی حالت پر واپس آنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے ۔ یہ حصہ بالکل ہندوستانی ہے ۔ یہ حصہ بھی اپنی جگہ بالکل مکمل اور آزاد حیثیت رکھتا ہے ۔ یعنی اس کے ساتھ ہی کہانی کو ختم کیا جا سکتا تھا ۔

(۳) تیسرا حصہ بہت اجمالی ہے ۔ اس میں ہیرو اور ہیروئن تک بدل جاتے ہیں ۔ تاج‌الملوک اور بکاولی کی جگہ بہرام وزیر زادہ اور روح افزا لے لیتے ہیں ۔ بہرام اور روح افزا کا قصہ بالکل ایک علاحدہ کہانی ہے ۔ اس کا تاج الملوک اور بکاولی کی داستان سے کوئی علاقہ نہیں ۔

اس طرح سے یہ تینوں حصے ایک دوسرے سے علاحدہ نظر آتے ہیں اور یہ کسی مرکزی پلاٹ کی جانب راجع نہیں ہیں ۔ پہلے اور دوسرے حصوں کو تو کھینچ تان کر ایک دوسرے سے مربوط کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن تیسرا حصہ تو بالکل پیوند کھاتا ہی نہیں ہے ۔ یہ تیسرا اور آخری حصہ صرف ایک ضمنی کہانی کہا جا سکتا ہے جسے کتاب کے خاتمے پر بطور ضمیمہ شامل سمجھ لیجیے ۔

متن کتاب میں تین بالکل آزاد ضمنی کہانیاں آتی ہیں ۔

۱ - برھمن اور شیر کی ۔

۲ - لڑکی اور دیو کی ۔

۳ - مرغ زیرک اور درویش کی ۔

پہلی کہانی پنچ تنتر کی ہے ، دوسری مہابھارت کی اور تیسری اسلامی حکایات میں سے ایک ہے ۔

پہلی دونوں کہانیاں جس دلیل میں پیش کی گئی ہیں ، وہ اپنے مقصد کو پورا کرتی ہیں ، لیکن تیسری کہانی بالکل بے مقصد بیان کی گئی ہے ۔

اب ہم اس داستان کے تینوں حصوں کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں ۔

## حصہ اول

اس حصے میں چونکہ ھیروئن پری ہے اس لیے اس کے تمام متعلقات فوق فطرت ہیں ۔ پریوں کی شہزادی کا مکان خوش رنگ جواھرات سے بنا ہوا ہے ، اس کے چوکیدار دیو اور پریاں ہیں ۔ صحرائے طلسم کے طلسمات بھی خاصے محیرالعقول ہیں ۔ طلسمات کی خصوصیات یہاں ملتی ہیں ۔ مثلاً آدمی کی شکل کا تبدیل ہونا ، قدم قدم پر خطرات ، طرح طرح کے عجائبات ، جن سے سیر کرنے والوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ کہیں کہیں ایسے درخت بھی نظر آتے ہیں جن کے پھل آدمی کے گلے کے مانند ہیں اور وہ ھنس پڑتے ہیں ۔ اس طلسم میں کئی حوض ہیں ، ان حوضوں سے گزر کر نئی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں ۔ اس طلسم سے کئی طلسمی تحفے بھی ملتے ہیں جن کی مدد سے روح افزا کو رھا کرایا جاتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

## حصہ دوم

یہ حصہ تمام تر عناصر فوق فطرت پر مشتمل ہے ۔ اندر اور

اس نگر کے حالات ہندو علم الاصنام کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں بکاولی کا مٹھ میں قیدی بننا ، مٹھ کے منہدم ہو جانے کے بعد وہاں سے سرسوں کا پیدا ہونا اور پھر اس سرسوں کے تیل سے دھقان کی بیوی کو حمل کا رہنا اور پھر بکاولی کی ولادتِ نو ، یہ سب ہندوؤں کے عقائد ہیں ۔

تیسرا حصہ

اس حصے میں بھی فوق فطرت چیزیں ہیں لیکن انہیں اتنی دلچسپ صورت سے پیش کیا گیا ہے کہ داستانوں کی یک رنگی کے بعد ان مضامین کا تنوع اور جدّت خوشگوار معلوم ہوتی ہے ۔ اس سے قصے کی بو قلمونی اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے ۔

## ہیرو اور ہیروئن کے کردار

تاج الملوک اور بکاولی دونوں عشق و محبت کے تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرتے ہیں ۔ دونوں کے پائے وفا میں لغزش نہیں آتی ۔ سخت سخت مصیبتیں اور پیہم کلفتیں بھی انہیں ان کے مقصد کی جانب گامزن رہنے سے نہ روک سکیں ۔ تاج الملوک صحرائے طلسم میں طرح طرح کے عذاب جھیلتا ہے ۔ بکاولی والدین کو ناراض کرتی ہے ، قید میں پڑ رہتی ہے ، وہ تاج‌الملوک کے لیے راجا اِندر کے یہاں روزانہ آگ میں جلتی ہے ، اس کے بعد نیم سنگ حالت میں مٹھ میں قید کر دی جاتی ہے ۔ تاج‌الملوک بھی اس کے لیے سب کچھ تیاگ کر ۱۲ برس سنگل دیپ میں گزار دیتا ہے ، رانی چتراوت کے ستم برداشت کرتا ہے ، لیکن کوئی طاقت بھی ان دونوں کے دلوں سے ایک دوسرے کی محبت کم نہیں کر پاتی ۔

دونوں کی ذکاوت ، ذہانت اور عقلمندی لائق ستائش ہے ۔ تاج‌الملوک ہر مقام پر دیووں کو سر کر کے بکاولی کے باغ

تک پہنچتا ہے۔ راجا اندر کی محفل سے پکھاوجی بن کر ہار لانا اور پھر خواب کے پردے میں بکاولی سے گفتگو، تاج الملوک کے انتہائی تدبر اور دانش کی دلیل ہے۔ بکاولی کی ذہانت کو دیکھیے کہ وہ فرخ بن کر زین‌الملوک کے دربار میں پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد چاروں شہزادوں کو دیکھتے ہی بیک نظر یہ سمجھ جاتی ہے کہ پھول کا لانا ان کے بس کی بات نہیں، یقیناً کوئی پانچواں بھائی اور ہے جو وہاں تک پہنچا ہوگا۔ دوسرا مقام وہ ہے جب وہ شہزادے کو پکھاوجی کے روپ میں راجا ِ اندر کی محفل میں لے جاتی ہے اور اسے راجا اندر سے مانگتی ہے''۔

## داستان تاج‌الملوک و بکاولی کی ہیئت ترکیبی

اس قصے کے تار و پود کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس کے مختلف حصوں کی بنیاد اور اساس کا پتہ چل جاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے اپنے مقالے میں اس پہلو کو بھی چھیڑا ہے اور چند مقامات کی نشان دہی بھی کی ہے مثلاً:

۱ - تاج‌الملوک کو گل بکاولی کی مہم سے باز رکھنے کے لیے دلبر بیسوا اس کو برھمن اور شیر کی حکایت سناتی ہے۔ یہ حکایت پنچ تنتر کے دکنی نسخے Textus Simplicitor سے ماخوذ ہے۔ کلیلہ دمنہ میں یہ کہانی نہیں لائی گئی۔ اس کہانی کو دیا شنکر نسیم نے بھی گلزار نسیم میں بیان نہیں کیا ہے۔

۲ - تاج‌الملوک نے اپنے چاروں بھائیوں کو دلبر بیسوا کی قید سے رھائی دلائی، لیکن وہ بھائی بعد میں اس سے غداری کرتے ھیں۔ یہ حصہ الف لیلہ سے لیا گیا ہے۔ الف لیلہ میں شہزادہ خدا داد کے ساتھ بھی بالکل ایسا ھی کیا گیا ہے۔ (دیکھیے الفرج بعد الشدۃ میں چھٹی حکایت)

۳ - پھول یا کسی اور چیز کے آنکھوں سے لگانے کے بعد بصارت کی واپسی کا تصور حضرت یعقوب کے قصے میں موجود ہے ۔

۴ - دیووں کے ذریعے محل تیار کرنا 'الہ دین کا چراغ ' میں ھی نہیں، دوسری ہندوستانی کہانیوں میں بھی پایا جاتا ہے ۔

۵ - ایک لڑکی دیو سے جنس تبدیل کر کے مرد بن جاتی ہے ۔ مہابھارت کے ادھوگ پرو میں لکھا ہے کہ شکھنڈی عورت تھا لیکن مرد کی طرح پرورش کیا گیا ۔ شادی کے موقع پر وہ جنگل میں گیا اور ایک یکش سے جنس تبدیل کر کے مرد ہوگیا ۔ یکش کویر (ایک دیوتا) کی بد دعا سے شکھنڈی زندگی بھر کے لیے عورت رہ گیا ۔

جنس بدلنے کی مثالیں بیتال پچیسی کی چودھویں کہانی کے سلسلے میں دریافت کی جاچکی ہیں ۔

جس طرح اس داستان میں ہے کہ طلسمی جنگل میں تاج الملوک نے حوض میں غوطہ لگایا اور عورت بن گیا ، سند باد کی کہانی میں بھی جنس بدلنے کے کنویں کا ذکر ہے ۔ الف لیلہ کی دوسری کہانیوں میں چشمے کا پانی پینے سے یا چشمے میں غوطہ لگانے سے جنس بدلنے کا ذکر موجود ہے۔

۶ - اس داستان میں جو طلسم ہے وہ ان طلسمات سے مختلف نہیں ہے جو ''داستان امیر حمزہ'' یا ''بوستان خیال'' میں مذکور ہیں ۔

۷ - اس داستان میں منعقدہ راجا اندر کی محفل اس اندر سبھا سے مختلف نہیں ہے جس کا ذکر سنسکرت کی قدیم کتابوں میں ملتا ہے ۔ تاج الملوک کو اندر سبھا میں لے جانا کو نئی بات نہیں بہار دانش میں چھٹے وزیر کی حکایت میں ایک شخص پوشیدہ طور پر ایک پری کے ساتھ پریوں کے ملک میں پہنچ ہی جاتا ہے اور پھر وہاں سے شادی کر کے واپس آتا ہے ۔

۸ - داستان کے خاتمے پر بہرام کو فاختہ بنا دیا جاتا ہے - کامروپ میں اس کا رواج اس داستان سے پہلے سے موجود تھا -

محولہ بالا مقامات سے اتنا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس داستان کے مختلف حصے کس طرح وضع کیے گئے ہیں - یعنی ان میں Originlaity کس حد تک ہے - جب ہم اس کے مختلف حصوں پر غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر یقیناً پہنچ جاتے ہیں کہ یہ قصہ اصلاً ہندوستانی ہے -

یہ دوسری بات ہے کہ منشی نہال چند نے اسے شیخ عزت اللہ بنگالی کی فارسی تصنیف سے تیار کیا ہے - اس کے ہندوستانی ہونے کے اسباب یہ ہیں :

۱ - برہمن اور شیر کی حکایت پنچ تنتر سے ماخوذ ہے -

۲ - جنسی تبدیلی کے سلسلے میں شکھنڈی کا قصہ مہابھارت میں مذکور ہے -

۳ - اندر سبھا کا ذکر -

۴ - دلبر بیسوا کا چوسر کھیلنا - یہ صرف ہندوستان ہی میں ہوتا ہے -

۵ - بکاولی کا ایک مٹھ میں قید ہو کر پھر کسان کے گھر پیدا ہونا ، ہندوؤں کے مشہور عقیدۂ تناسخ پر مبنی ہے -

ان داخلی شہادتوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس داستان کی اصل ہندوستانی ہے ، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ یہ کتاب کسی سنسکرت یا برج بھاشا کی کتاب کا ترجمہ نہیں ہے - کیونکہ :

۱ - اس داستان کی ترتیب اور کیفیت فارسی داستانوں

کی وضع پر ہے۔

۲ ۔ تمام نام فارسی ہیں۔

۳ ۔ داستان کی ہیروئن 'بکاولی' کا نام بھی ہندی یا سنسکرت نہیں معلوم ہوتا۔

۴ ۔ مرغ اور صیاد کی حکایت میں حضرت سلیمان[۴] کے دربار میں انصاف ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کسی اسلامی حکایت سے ماخوذ ہے۔ غرضیکہ اس داستان پر نہ تو خالصتاً ہندوستانیت غالب ہے اور نہ محض فارسیت ہی چھائی ہوئی ہے، بلکہ یہ مختلف اور متنوع شواہد کا ایک حسین اور دلآویز مرقع ہے۔

اس داستان کے ماخذات پر بحث کرنے کے بعد ہم ان دو کتابوں کے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں، جنھوں نے اس داستان کے ڈانڈے حقیقت سے جا ملائے ہیں۔ وہ دونوں کتابیں یہ ہیں۔

۱ ۔ طلسم حیرت از محمد یعقوب و عبدالسمیع کاکوروی مرتبہ ۱۸۷۲ء

۲ ۔ تاریخ طلسم بکاولی از مولوی سید محمد اسمٰعیل ڈانسوی سابق تحصیلدار و ملازم سرشتہ تعلیم بھوپال ۔ مرتبہ ۱۸۹۴ء مطبوعہ گلزار محمدی ۱۸۹۵ء۔

## طلسم حیرت

ضلع منڈلہ کی تحصیل رام گڑھ کے قریب ریاست ریوان میں قلعہ امر کنٹک ہے، جس کو قلعہ بکاولی بھی کہتے ہیں۔ وہاں ۲۰۷ میل کی دلدل ہے۔ اسی جگہ بکاولی کا باغ اور حوض ہے جس میں گل بکاولی کا کسی وقت موجود رہنا بتایا جاتا ہے۔ قلعہ امر کنٹک سے

باغ بکاولی تک بارہ کوس کی دلدل ہے ، جس میں سانپ ، بچھو اور بڑی بڑی چھپکلیاں ہیں ۔

عبدالسمیع کاکوروی ۱۸۷۲ء میں بہ سلسلہ تلاش ملازمت جب ضلع منڈلہ گئے تو وہاں پہنچ کر انہوں نے باغ و حوض بکاولی کی میر کی ۔ وہاں کے باشندوں سے اور میر قدرت علی داروغہ جنگل سے حالات دریافت کیے ۔ وہاں سے واپس آ کر انہوں نے وہ حالات لکھنؤ میں محمد یعقوب بن اکبر خاں سے بیان کیے ۔ محمد یعقوب نے ان حالات کو ''طلسم حیرت یا تاریخ بکاولی'' میں درج کر دیا ۔

## تاریخ طلسم بکاولی

اس کے بعد ۱۸۹۴ء میں سید محمد اسمٰعیل ڈانسوی مدرس مدرسۂ سلیمانیہ بھوپال کو وہاں جانے کا اتفاق ہوا ۔ انہوں نے مزید حالات معلوم کیے اور ہندوؤں کی قدیم کتابوں سے تحقیق کی ۔ انہوں نے اپنی تمام تحقیقات کو ''تاریخ طلسم بکاولی'' کے عنوان سے قلمبند کیا ، جسے مطبع گلزار محمدی میرٹھ نے ۱۸۹۵ء میں شائع کیا ۔

ان دونوں کتابوں میں قلعۂ امر کنٹک ، باغ بکاولی ، گل بکاولی وغیرہ کے متعلق تاریخی حالات و واقعات ہیں ، جن کے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تاج الملوک اور بکاولی کی داستان ایک افسانہ ہی نہیں ہے کہ کسی ذہن رسا کی اختراع ہو ، بلکہ اس کی اساس حقائق پر ہے ۔

چنانچہ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ بھی ان تحقیقات سے نہایت متاثر ہوئے اور بکاولی پر نوٹ لکھتے ہوئے انہوں نے ان حقائق کو بھی لکھا ۔ تعجب ہے کہ مولوی سید احمد صاحب نے اپنی کتاب میں ان بزرگ کا نام کیوں نہیں لکھا جن

کی کتاب سے انھوں نے یہ تحقیقات اخذ کی تھیں ۔ وہ ان کے لیے
محض ''محقق'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔

میری رائے میں فرہنگ آصفیہ کی جلد اول کی تیاری کے
وقت تک صرف پہلی کتاب ''طلسمِ حیرت'' ہی سامنے آئی تھی۔ جس
کے مؤلف محمد یعقوب ہیں ، اور وہ حالات عبدالسمیع کاکوروی نے
فراہم کیے تھے ۔ دوسری کتاب ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی ۔ اس
لیے ظاہر ہے کہ وہ ان کے سامنے نہیں تھی ۔ مولوی سید احمد
صاحب نے فرہنگ آصفیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ انھیں الفاظ میں
پیش کرتا ہوں تاکہ جملہ تفصیلات من و عن صورت میں ناظرین
تک پہنچ جائیں ۔ مذہبِ عشق کی داستانِ تاج‌الملوک و بکاولی
کی تفصیلات پہلے پیش کر چکا ہوں ۔ اب ان انکشافات کے تقابلی
مطالعے سے اربابِ تحقیق کے لیے ضیافت طبع کا وافر سامان بہم پہنچ
جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ کوئی اہل ہمت کسی وقت اس
انتہائی مقبول ، ہردلعزیز ، دلچسپ اور دلآویز داستان پر کوئی
تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کر ڈالے :

# گل بکاولی

اقتباس از فرہنگ آصفیہ مؤلفہ مولوی سید احمد دہلوی مجلد اول مطبوعہ ۱۹۱۶ء طبع دوم صفحات ۴۰۰ تا ۴۰۲ -

"بکاولی - ہن - اسم مؤنث مرکب از بک بمعنی بگلا۔ اولی بمعنی گروہ - راجا میکل جوگ والیٔ ریوان کی خوبصورت لڑکی کا عرف جس کا اصل نام نربدال یعنی پایل تھا - چونکہ دختر نیک اختر پاؤں کے بل پیدا ہوئی تھی اس سبب سے اور نیز دریائے نربدا کے لحاظ سے یہ مبارک نام رکھا گیا - کیوں کہ نربدال سنسکرت زبان میں پائل بچے کو کہتے ہیں ، بلکہ دریائے نربدا بھی اسی وجہ سے نربدال کے نام سے موسوم ہوا کہ وہ ہندوستان کے دیگر دریاؤں کے برخلاف الٹا بہتا ہے -

جس زمانے میں یہ لڑکی پیدا ہوئی انہیں دنوں میں راجا کے وزیر کنڈا کھڑک کے ہاں بھی ایک نہایت حسین مہ جبین ماہ پارہ لڑکی جلوہ افروز ہوئی - جب یہ دونوں ہمجولیاں ذرا بڑی ہوئیں تو جھیلا نامی حجام زادی بھی کہ وہ بھی حسن و جمال میں ان سے کم نہ تھی ، ان کی خدمت میں رہنے لگی - یہ تینوں سہیلیاں ہر وقت سات سہیلیوں کے جھمکے کی طرح رہا کرتی تھیں - ایک روز ان تینوں پری تمثالوں کا پرا آتے ہوئے دیکھ کر نربدال کی ماں نے پیار سے ہنس کر کہا کہ یہ بکاولی ہے یا ہنسوں کا جھرمٹ ؟ یعنی سفید بگلوں کی ٹکڑی آرہی ہے - پس اس روز سے نربدال بکاولی کے لقب سے ملقب ہو گئی - ایک تو امر کنٹک جھیل کی قربت و سکونت ، دوسرے ان کی گوری گوری رنگت نے اس نام سے اور بھی مناسبت پیدا کر دی - چونکہ

بکاولی کا قصہ اور طلسم ہندوستان کے عاشق مزاجوں کا خوش کن مشغلہ ہے لہٰذا ہم اس کی صحیح اور اصل کیفیت ایک نہایت معتبر مؤرخ بلکہ محقق یگانہ کے بیان سے اقتباساً ناظرین فرہنگ کی نظر کرتے ہیں۔

محقق مذکور کا بیان ہے کہ ریاست ریوان کے پہاڑی علاقے میں امر کنٹک نامی ایک بہت بڑی جھیل ہے ، جس میں سے تین دریا نربدال ، سون بھدرا اور چنبل نکلتے ہیں۔ ایک جھیل کے بیچوں بیچ ایک بڑا قلعہ بنا ہوا ہے ، جسے وہاں کے لوگ اب تک بکاولی کا قلعہ کہتے ہیں۔ اس قلعے کے پاس ہی تھوڑے سے فاصلے پر ایک اور چھوٹا سا قلعہ واقع ہے، جس کو ہالہ گڑھی کہتے ہیں۔ چونکہ ہالہ وزیر کی لڑکی کا نام تھا ، اس سبب سے گمان غالب ہے کہ یہ چھوٹا سا قلعہ اس وزیر زادی کے رہنے کے واسطے اس کے باپ نے بنوا دیا ہو۔ اس جھیل میں بارہ کوس کی گہری اور وسیع دلدل ہونے کے باعث کوئی شخص اس قلعے تک نہیں پہنچ سکتا ، کیوں کہ اول تو اس دلدل میں پھنس کر نکلنا دشوار ، دوسرے سانپ ، بچھو ، مگرمچھ وغیرہ کی بھر مار۔ اگر کوئی دل چلا ہمت باندھے بھی تو رستے ہی میں لقمۂ نہنگ اجل ہو جائے۔

بکاولی کا صحیح قصہ اس طرح ہے کہ زمانۂ سابق میں اجودھیا ، جسے فی زمانہ فیض آباد کہتے ہیں ، سورج بنسی خاندان کے راجاؤں کا دارالحکومت تھا۔ چنانچہ راجا رامچندر سے بہت پہلے وہاں کرنجوس نامی ایک زبردست راجا تھا جس کے دو لڑکے تھے۔ ایک کو شاستر جوگ دوسرے کو میکل جوگ کہتے تھے۔ راجا نے آباد ملک تو بڑے بیٹے شاستر جوگ کو دیا اور پہاڑی جنگلی اور غیر آباد علاقہ چھوٹے بیٹے میکل جوگ کے سپرد کیا۔ میکل جوگ کو یہ نامنصفانہ تقسیم نہایت ناگوار

گزری ۔ اس کی دانشمند بیوی نے کہا کہ باپ کا حکم ٹالنا سعادت مندی سے بعید ہے ۔ تم راجا سے خوشامد کر کے صرف کنڈا کھڑک آن کے منتری کو مانگ لو ۔ وہ ایسا عقلمند اور شعبدہ باز ہے کہ اسی نکمے اور ناپسند علاقے کو مقبول عام اور زرخیز بنا دے گا ۔ میکل جوگ کو اس رائے سے اتفاق ہوا چنانچہ اس نے راجا سے کنڈا کھڑک وزیر با تدبیر کو مانگا اور راجا نے خوشی سے دے دیا ۔

میکل جوگ باپ سے رخصت ہو کر مع وزیر و لشکر اپنے علاقے میں درآمد ہوا اور دائمی قیام گاہ کے واسطے کوئی محفوظ و پر فضا مقام تلاش کرنے لگا ۔ کنڈا کھڑک وزیر نے امر کنٹک چشمے کی جگہ پسند کی اور علم طلسمات کے ذریعے سے دلدل کے عین وسط میں ایک قلعہ بنایا جس کے اندر آنے جانے کا رستہ صرف اپنی ھی معلومات پر موقوف رکھا ، یعنی آڑن کھٹولے (غبارے) کے وسیلے سے وھاں تک آنا جانا ہو سکتا تھا اور دوسری طرح ممکن نہ تھا ۔ آڑن کھٹولا اس زمانے میں ایک ایسی سواری تھی کہ اس پر ہر ایک شخص قادر نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہر ایک بنا سکتا تھا ۔

کچھ عرصہ بعد راجا میکل جوگ کے ھاں پایل لڑکی تولد ہوئی ، جس کا نام سنسکرت زبان کے موافق نربدال رکھا گیا ۔ انھیں دنوں میں وزیر کے ھاں بھی لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ھالہ رکھا گیا ۔ یہ دونوں ھمجولیاں حسن و جمال میں اپنی آپ ھی نظیر تھیں اور ایسی ھی ان کی خدمتی جھیلا حجام زادی بھی اپنے روپ اور اپنی چھب میں رنگیلی چھبیلی مشہور تھی یہ تینوں پری زادیں سائے کی طرح دم بھر ایک دوسری سے جدا نہ ہوتی تھیں ۔ ایک روز ان تینوں کا جھرمٹ اپنی انوٹیں دکھاتا ہوا نربدال کی ماں کے سامنے آ کھڑا ہوا ۔ انھیں دیکھ

کر اس کے منہ سے بے ساختہ بکاولی کا لفظ نہایت محبت اور پیار سے بھرا ہوا سر زد ہوا ، یعنی اس نے کہا کہ یہ سفید سفید بگلوں کا جھرمٹ کہاں سے آ گیا ؟ پس اس دن سے نربدال کا نام بکاولی جان ہو گیا۔ بکاولی کو بچپن سے چمن ، باغ ، گلزار پھول ، پھلواری کا از حد شوق تھا ۔ خوشبو کی عاشق زار تھی بھنورے کی طرح ایک ایک پھول کو سونگھتی اور تیتری کی طرح ایک ایک پنکھڑی پر گویا پنکھ پسارتی پھرتی تھی ۔

ایک مرتبہ ایک صاحب کمال فقیر، جسے علم عجائبات میں بھی بہت کچھ دخل تھا ، رمتا رماتا ادھر آ نکلا ۔ اس جوگی کا نام سدمابھدرا تھا۔ بکاولی کی صورت دیکھتے ہی وہیں دھونی رما بیٹھ گیا:

رمائے بیٹھے ہو دھونی جو ان کے در پر تم
ہوا ہے کیا تمھیں سید بھلا سنو تو سہی (مؤلف)

اب اس جستجو میں رہنے لگا کہ بکاولی کا میلان طبع کس طرف ہے ۔ جوئندہ یا بندہ ، اسے پتہ لگا کہ بکاولی حسین پھولوں کی شوقین ہے ۔ چنانچہ جوگی جی نے ایک روز موقع پا کر یہ منتر اس کے کان میں پھونکا کہ اگر اجازت ہو تو فقیر کی اِچھا ہے کہ میں ایک ایسا پھول لا کر یہاں لگاؤں جو لوگوں کی آنکھ کا تارا ، خوشبو پسندوں کے دماغ کا سہارا ہو ۔ بکاولی نے یہ بات سنتے ہی خوشی سے اجازت دے دی ۔

جوگی صاحب پتا توڑ کر بھاگے اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک ایسا پودا لا دیا جس کے پھول کی خوشبو سے تمام باغ مہک گیا ۔ بکاولی دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئی اور جوگی جی کا دماغ بہک گیا ۔ بکاولی نے کہا ''مانگ کیا مانگتا ہے؟'' فقیر گویا ہوا کہ آپ کی مانگ میں میرا دل اٹکا ہوا ہے ۔ اس کا ٹھکانا چاہتا ہوں ۔ میرے سوا دوسرا بلبل نہ اس باغ میں چہچہائے ، یعنی میرے ہوتے آپ دوسرے کا گھر نہ بسائیں، مجھ ہی سے بیاہ رچائیں ۔

بکاولی نے سوچ سوچ کر کہا ''کیا مضائقہ ہے ۔ آپ خدا کے پیارے ہیں ۔ آپ کا پیارا بننا ہمیں ناگوار خاطر نہیں''

جس وقت بکاولی جوان ہوئی تو اس کے ماں باپ نے اپنے کسی ہمسر راجا سے اس کی بات ٹھہرا دی ۔ جب شادی کی سبھ گھڑی قریب آئی اور مہورت سدھ ہوا تو دولھا برات لے کر پہنچا ۔ باجوں کی آواز ، آتشبازی کے شور سے چت چور بیراگی چونکا ۔ جھیلا حجام زادی کو بلا کر پوچھا کہ آج یہ کیسی دھوم دھام ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ جوگی جی! بکاولی کی بارات کا اژدھام ہے'' جوگی نے پوچھا ''بکاولی اس وقت کہاں ہے ؟'' حجام زادی نے کہا کہ حوض کے شمالی کنارے پر مہا دیو کی پوجا میں مصروف ہے ۔ اشنان کرتے ہی دلہن بنائی اور منڈھے میں پھیروں کے واسطے منگائی جائے گی ۔

فقیر نے سنتے ہی ایک آہ کا نعرہ مارا اور خدائے تعالیٰ کے حضور میں نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی کہ اے عالم‌الغیب! تو جانتا ہے کہ مجھے بکاولی سے دلی عشق ہے ۔ میں کیونکر گوارا کر سکتا ہوں کہ میری وعدہ خلاف منگیتر کسی دوسرے شخص کے ہم پہلو ہو اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں ۔ وہ اپنے قول سے پھر گئی ، مگر میں اپنے وعدے پر پورا اترا ۔ الٰہی تو اسے پانی بنا کر بہا دے تا کہ وہ اپنے کیے سے پانی پانی اور میری دوریہ‌گراں جانی ہو ۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور بکاولی پانی بن کر دریا نربدا میں جا ملی ۔

جب اس عاشق زار کی خوش جمال معشوقہ پانی پانی ہو کر بہ گئی تو اسے بھی اپنی جان وبال ہوگئی ۔ وہی دعا اپنے اور جھیلا کے واسطے مانگی اور کہا کہ جھیلا نے یہ خبر سنا کر مجھے صدمہ پہنچایا تھا ، وہ بھی اپنے کیے کے پاس بیٹھے ۔ الغرض اس وقت یہ دونوں بھی پانی ہو کر بہ گئے اور اپنے نام کے دریاؤں میں

جا ملے ۔

بکاولی کا حوض ، جس میں حوض اور بکاولی کے پھول ھیں، اب تک موجود ھے ۔ قلعے کا پتہ اس کے کھنڈروں سے چلتا ھے ۔ یہ باغ امر کنٹک چشمے کے باھر واقع ھے، جہاں سیاحوں کا جانا ممکن ھے ۔گل بکاولی کا اصل نام ھلدو ھے مگر بکاولی کی وجہ سے وہ گل بکاولی مشہور ھو گیا ۔ در اصل یہ ایک قسم کی پہاڑی ھلدی کا پودا ھے جو برفانی پہاڑوں میں بکثرت پایا جاتا ھے ۔ اس کے پتے ھلدی کے پتوں سے مشابہ عقیق البحر سے ملتے ھوئے ھیں ۔ ھلادے کا پھول زرد اور خوشبودار ھوتا ھے ، جس طرح ھلدی اور مامیران جو خود از قسم ھلدی ھے، آنکھوں کے جملہ امراض چشم کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا ھے ، یعنی سرخی ، درد ، جلن ، خارش ، دھند ، غبار ، ناخونہ وغیرہ کو اس سے جلد آرام ھو جاتا ھے ۔ یہ خیال محض غلط ھے کہ وہ ایک ھی پودا ھے ۔ اس کے بہت سے درخت ھیں اور روز بروز بڑھتے جاتے ھیں ۔ یہ خیال بالکل بے اصل اور بے بنیاد ھے کہ اس دلدل میں سانپ ، بچھو ، چھپکلیاں ، طلسمات کی بنی ھوئی ھیں ۔ دلدل میں سانپ ، بچھو ، کچھوے وغیرہ بکثرت ھی ھوا کرتے ھیں ۔ جن جانوروں کو چھپکلیوں سے تعبیر کیا ھے ، وہ مگرمچھ ، گھڑیال وغیرہ ھیں جو چھپکلیوں سے بالکل مشابہ ھیں ۔ جس جانور کو مشک کی برابر ٹھرایا ھے ، وہ بھی یہی گھڑیال ھے ۔

تاج الملوک فرضی نام ھے جو قصے کو مزیدار بنانے کے واسطے گھڑا گیا ھے ۔ سون بھدرا درحقیقت فقیر نہ تھا ، بکاولی کے حسن کا شہرہ سن کر راج پاٹ چھوڑ ، فقیری بھیس میں وھاں پہنچا تھا ۔ وہ خود اسی طرف کا ایک راجا تھا ۔ غالباً اسی کو تاج الملوک قرار دیا ھو ۔ ورنہ اس زمانے میں ھند میں عربی الفاظ کا نام و نشان بھی نہ تھا ۔ اگر بکاولی کا قصہ سچا ھوتا

تو گلزار نسیم اور بکاولی کے دوسرے فرضی قصے میں فرق نہ ہوتا۔ دیونی اور پری قدیمی شاعرانہ خیالات ہیں۔ بدصورت کو دیونی اور خوبصورت کو پری بنا دیا تو کوئی انوکھی بات نہیں کی۔

لکھا بیسوا اس زمانے میں کوئی مشہور رنڈی تھی جس نے چوھوں کو سدھا رکھا تھا اور انہیں کی مدد سے چوسر جیتا کرتی تھی۔ اس کی تحقیق اس طرح ہے کہ راجگڑھ کے متصل اور چشمۂ اس کنٹک سے سات کوس اس طرف ایسے کھنڈر موجود ہیں جن کو وہاں کے لوگ پتریا کا محل کہتے ہیں۔ پتر یا ہندی میں اور خاص کر پورب کی طرف بیسوا کو کہتے ہیں۔ پس عجب نہیں جو اسی بیسوا کے محل ہوں۔

سون بھدرا، نربدا، جھیلا کو یہ خیال کرنا کہ یہ فقیر کی بد دعا سے جاری ہوئے ہیں، دور از قیاس اور بناوٹ ہے۔ دریا جس طرح پیدا اور جاری ہوتے ہیں، جغرافیہ دان اس سے بخوبی واقف ہیں۔

قلعے کے اندر سے دن کو دھواں اٹھنے سے وہ ابخرات مراد ہیں جو قلعے کے چو طرفہ دلدل سے حسب قاعدۂ قدرت اٹھتے رہتے ہیں۔ قلعے کی دیواروں میں ٹکر کھا کر وہ ہی دیوار کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ کہنا کہ قلعے کے اندر کوئی نہیں جا سکتا درست نہیں۔ صرف دلدل مانع ہے۔ غبارے یا ہوائی جہاز کے ذریعے اور مختلف ترکیبوں سے بصرف کثیر جانا ممکن ہے۔ محقق موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھ کو بہت سے طریقے ایسے معلوم ہیں کہ میں وہاں جا سکتا اور اس طلسم کا راز کھول سکتا ہوں، صرف دس بارہ ہزار روپے کا خرچ ہے۔ اگر کوئی اس کی ہمت کرے تو یہ بات بھی یادگار زمانہ رہ جائے۔ ہمارے نزدیک گورنمنٹ یا رؤسائے ہند اس راز

سربستہ کو اب بذریعہ ہوائی جہاز بآسانی کھول سکتے ہیں۔

(اقتباس از فرہنگ آصفیہ جلد اول طبع دوم صفحات ۳۰۰ تا ۳۰۲)۔

# متن کی تصحیح

اس نسخے کے متن کی تصحیح و مقابلہ کے دوران مرقومۃالذیل نسخے پیش نظر رہے ہیں :-

۱ ۔ مذہب عشق–قلمی نسخہ ، مملوکہ راقم‌السطور ، نام کاتب و سن کتابت ندارد ۔ آغاز :-

''الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول    کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول''

کنج بہاری لال نے اس مخطوطے کے متن کا مقابلہ مصنف کے اصل مسودے سے مورخہ ۲۴ ذی‌الحج ۱۲۲۳ھ کو تمام کیا ۔ یہ ملحوظ رہے کہ نہال چند لاہوری مذہب عشق کی تالیف سے ۱۲۱۷ھ میں فارغ ہوئے تھے ۔

۲ ۔ تاج‌الملوک اور بکاؤلی ۔ قلمی نسخہ، مخزونہ کتاب خانۂ جامعہ پنجاب لاہور ۔ آغاز :-

'' الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول    کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول''

کاتب کا ترقیمہ یہ ہے :-

'' تمام ہوئی کہانی بکاؤلی کی بتاریخ دسویں جمادی‌الاول ۱۲۳۳ھ مطابق چھوبیں ٦ چیت ۱۲۲۴ ۔ بنگلہ دیوان خانے میں جناب منشی صاحب قبلہ کعبہ ، یعنی جناب سید حمید الدین بہادر کہ آں راوحیدالدہر و فریدالعصرتواں گفت، تحریر یافت'' یعنی تالیف (۱۲۱۷ھ) کے ۱٦ سال بعد اس نسخے کی کتابت تمام ہوئی ہے ۔

۳ ۔ مذہب عشق–یعنی قصہ تاج‌الملوک اور بکاؤلی پری کا ۔

مخزونہ کتابخانۂ جامعہ پنجاب لاهور ۔ مطبوعہ ۔ بمبئی ۱۲۶۰ھ
اس نسخے کے حاشیے پر مثنوی سحر البیان مصنفہ میر حسن دهلوی ہے ۔ اس نسخے کی لوح کے الفاظ یہ هیں :۔

یا اللہ
مثنوی سحرالبیان
تصنیف کی هوئی میر حسن دهلوی کی
اور
مذهب عشق
یعنی قصہ تاج الملوک اور بکاولی پری کا

یہ دو قصے جو نہایت خوب مرغوب اور دلچسپ و محبوب هیں سو عاجز نعمت اللہ ولد ملا محمد قاسم مصطفی آبادی نے محمد حسین بن منشی محمد سلیم و عبدالملک ولد مولوی محمد صادق عفی اللہ عنہ کے چھاپے خانے میں ۱۲۶۰ هجریہ مقدسہ کو شہر بمبئی میں چھاپا "۔

آغاز :

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ هو هر ایک کے دل کا وہ مقبول

۴ ۔ قصہ تاج الملوک و بکاولی ۔ مطبوعہ مطبع دارالسلام دهلی باهتمام نور الدّین احمد لکھنوی ، سن طباعت ۱۸۴۶ء ۔ خط نستعلیق لیتھو ، صفحات ۱۲۴ ، حاشیے پر قصہ بہرام گور و نسخۂ خرد افزا هیں ۔

۵ ۔ قصہ بکاولی ۔ مطبوعہ مطبع حسنی ۔ سن طباعت ندارد ، لیکن فورٹ ولیم کالج کے ابتدائی دور کا هی طبع شدہ معلوم هوتا ہے ۔ نستعلیق ٹائپ میں مطبوعہ ہے ۔ اس کی لوح نہیں ہے ۔ پہلے صفحے سے هی متنِ کتاب شروع هو

جاتا ہے ۔ مخزونہ از کتابخانۂ جامعہ پنجاب لاہور ۔
آغاز :

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

۶ ۔ گل بکاولی ۔ مطبوعہ ۱۲۶۸ھ مخزونہ کتابخانۂ مجلس ترقی ادب لاہور ۔

صرف لوح مطبع مصطفائی محمد مصطفیٰ خاں میں طبع ہوئی ۔ کتاب مطبع مسیحائی کانپور میں باہتمام مسیح الزمان ولد مولوی نور محمد مطبوع ہوئی ۔ آغاز :

"الٰہی کر سخن میرے کو وہ گل
کہ جس پر مرغ دل ہو سب کا بلبل"

خلیل الرحمٰن داؤدی
ٹیگور پارک ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## حمد و ثنا

الٰہی کر سخن میرے کو وہ پھول
کہ ہو ہر ایک کے دل کا وہ مقبول

حمد و ثنا کا گلستان ِ ہمیشہ بہار باغبان ِ حقیقی کو سزا وار ھے کہ اُس کے باغ ِ لطف سے اس طرفہ بوستان ِ جہان نے آب و رنگ ِ تازہ اور لطافت ِ بے اندازہ پائی ۔ پھولوں کی بہار میں اور زیبا عروسوں کے نقش و نگار میں اُسی کے نور کی تجلّی سمائی ۔ خامۂ خشک مغز کا کیا مقدور اور کتنی طاقت کہ اُس کی حمد و ثنا تحریر کر سکے اور جو حق لکھنے کا ھے لکھ سکے۔ نظم :

ہر اک پتی سے گل کی بُو عیاں کی
وھی علّت ھے بلبل کے فغاں کی

جو منہ ھے بند غنچے کا چمن میں
اُسی کا نام لیتا ھے دھن میں

اُسی کے حکم نے شیرازہ بندی
کتاب ِ عارض ِ محبوب میں کی

جو عکس ِ روئے لیلیٰ گل میں آیا
تو مُوئے قیس کو سنبل بنایا

جو ابر رحمت ِ غفّار بر سے
گناھوں کو ھمارے دم میں دھوئے

طراوت پائے اپنی کشت ِ اُمید
ھری ھو جائے اپنی کشت ِ اُمید

اگر دل قہر پر آ جائے اُس کا
سوائے ظلِّ احمدؐ پھر نہیں جا

## محمدؐ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نعت میں

ہزار ہزار درود اور سلام اُس والا حسب ، عالی نسب پر ہے جو باعث بنائے زمین و آسمان اور سببِ ایجادِ کون و مکان ہوا ۔ اُس کے بُراق کے سم کا نقش مہر و ماہ کی پیشانی پر درست بیٹھا ۔ اُس کے مجموعۂ امکان سے جہان ہے ایک کتاب اور اُس کتاب سے ہستی ہے ایک باب ۔ صفحۂ خاک کو جو دل چسپ دیکھا تو بیت افلاک میں نہ رہا ۔ اُس مطلعِ نور اور مقطعِ ظہور نے عناصر کی رباعی اختیار کی ۔ بیت :

اس مرحلے کا نہیں ہے پایاں  کہ اب تو ثنائے شاہ مرداں

## حضرت مرتضیٰ علیہ السّلام کی منقبت میں

جب صبح کو آفتاب نے قلمِ شعاعی سے ورقِ عالم پر آیتِ نور لکھ کر صفحۂ جہان کو روشن کیا ، میں نے چاہا کہ دریائے سخن میں غوطہ لگا کے لُولُوئے آبدار جو سخن کے جوہریوں کو منظور ہوں ، نکالوں ۔ جس طرف غور و تامّل سے نگاہ کی ڈھیر کے ڈھیر نظر آئے ۔ سوچا کہ اُن کو کس پر نثار کروں ، اس تردّد و فکر میں تھا کہ یکایک یہ مُژدہ میرے کان میں پہنچا کہ اے غریقِ دریائے فکر ! یہ جواہرِ درخشاں دوسرے کے لائق نہیں ، حضرت علی علیہ السّلام کے قدموں پر نثار کر ، یعنی اُن کی مدح میں زبان کھول ۔ وہ شہنشاہ کہ جس کے چہرے کے عکس سے ماہ کے رخ پر صفائی آئی اور خورشید کے آئینے نے جلائے وافر پائی ۔ اگر ساتویں آسمان کے میدان میں گھوڑا دوڑائے تو ستاروں

کے لشکر میں فتور پڑ جائے۔ اے شہنشاہ ! تیری درگاہ میں میری یہی عرض ہے کہ داروگیرِ قیامت میں مجھ کو با رُوئے سفید اپنے غلاموں کی صف میں رکھنا ۔ اس کے سوا اور کیا عرض کروں کہ بندے کو زیادہ عرض کرنی اپنے مولا کی جناب میں کمال گستاخی ہے۔

## وجہِ تصنیفِ کتاب

ناظرین پر روشن ہو کہ شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی ۔ اُس نے اس کا سبب یوں لکھا ہے کہ طالب‌العلمی کے ایام میں اس حقیر کو انشاپردازی کے فن میں رغبت تمام تھی اور مسودے بھی کاغذ پر لکھ کر رکھ چھوڑتا تھا ۔ ایک روز رفیقِ شفیق نذر محمد کہ نو برس تک اس شوریدہ حال کا مرغِ دل اُس شمعِ جمال پر پروانے کی مانند حیران اور ذرّے کی طرح اس آسمانِ ملاحت کے خورشید پر سرگرداں تھا ، چکور کی مانند خراماں خراماں آیا ۔ ابیات :

غزالوں سے چشم اس کی چاہے تھی باج
قمر سے بھی منہ اس کا مانگے خراج
ان آنکھوں کو تھی عشوہ سازی مدام
کرشمے میں کرتی تھی عالم کا کام
کبھی مستی میں لہر آئی اگر
کیا صفحۂ دل کو زیر و زبر
خطِ سبزہ چہرے پہ تھا اس کے یوں
ہو قرآن پر جدولِ نیلگوں
اگر لعل کی رگ سے ہووے قلم
تو سرخی لبوں کی کروں کچھ رقم

اور جیسی کہ ہمارے اور اس کے بیچ دوستی تھی ، ویسی ہی

طرح کبھی اپنا ہاتھ لا میرے کاندھے پر دھرتا اور کبھی میری گود میں آ بیٹھتا ۔ آخرش جام لب کو شراب تکلم سے بھر کر ہر وضع کی نرم نرم باتوں سے محبت کی آشفتگی کا بازار گرم کیا اور یہ شوریدہ حال بھی اس فرشتہ خصال سے متکلّم رہا ۔ پھر میرے زانو کا تکیہ لگا کر کہنے لگا کہ مجھ کو نیند آئی ہے ، جب تک میں سوؤں تم بیٹھے کوئی کہانی کہو ۔

پہلے تو میں نے چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ لیٹ رہوں لیکن یہ خیال گزرا کہ شاید بُدھو یہ نہ سونچے کہ میرا کہنا نہ مانا ۔ تب وہ قصہ کہ جس کی ہر ایک داستان عشق ہی سے بھری ہوئی تھی، اس سرمایۂ بہجت و سرور کے آگے کہنے لگا ۔

مِن بعد اس یار ارجمند کی خواہش اس مستمند کو اس پر لائی کہ اس دل چسپ قصے کو فارسی کی عبارت کا لباس پہنا کر نظم و نثر کے زیور سے آراستہ کر کے مشکل پسند دیکھنے والوں کی دید کے لائق کروں ۔

اس اثنا میں غرہ ذی الحجّہ کو کہ سن ایک ہزار ایک سو چوبیس ہجری ۱۱۲۴ھ تھے ، اس نو بادۂ باغ دل و دیدہ کے تئیں موت کی صرصر نے جڑ سے اکھاڑ ڈالا ۔ اس واقعۂ جاں کاہ سے اس مصیبت زدہ کے ہوش و حواس کا طائر اُڑ گیا ۔ چاہا کہ اوراقِ مسودات اس افسانے کے بھی پرزے پرزے کر ڈالوں ، لیکن چند دوستوں نے کہ ایک گونہ پاس خاطر ان کی بھی منظور تھی ، آ کر سمجھایا اور کہا ۔ بیت :

آساں بہت ہے لعل بدخشاں کا توڑنا
لیکن نپٹ محال ہے پھر اس کا جوڑنا

بحکم ضرورت آدھے کو فارسی کیا اور آدھے کو جوں کا توں رکھا ۔ سبب تالیف اس کتاب کا یوں ہے کہ مستمند نہال چند

لاهوری کو که اس نحیف کا مولد شاہ جہان آباد ہے، آب و خورنے کھینچ کر بیچ اشرف البلاد کلکتے کے، جو اس وقت میں دارالسلطنت ہندوستان کا ہے، لا ڈالا اور یہ خاکسار کپتان ڈیوڈ روبرٹ سن صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا تھا ۔ انھی کی دست گیری سے صاحب خداوندِ نعمت، حاتمِ زماں، دستگیرِ درماندگان، منبعِ جود و عطا، سرچشمۂ فیض و سخا، دریائے عنایت و کرامت، بحرِ احسان و شجاعت، جناب جان گلکرسٹ صاحب بہادر مدظلہ کے دامن تلک رسائی ہوئی ۔ ابیات :

ثنا میں اس کی بجا ہے اگر صغیر و کبیر
ہزار صفحۂ کاغذ سدا کریں تحریر
وہی ہے باغِ فصاحت کا نخل عالم میں
گلِ سخن سے اسی کے شگفتہ‌دل ہیں زخیر
وہی ہے گوہرِ بحرِ سخا و کانِ عطا
نہیں ہے اسکا جہاں میں کوئی عدیل و نظیر
ضیائے عقل سے روشن ہے اس کی شمعِ امید
جہاں کی بزم میں دن رات جیسے سہرِ منیر
خدا نے اپنے تفضل سے خلعتِ اخلاق
سجایا قامت موزوں پر اس کے با توقیر
جو کوئی چاہے تو خدمت سے اسکی فیض اٹھائے
گواہ اس پہ ہے دل سے ہر اک غنی و فقیر
لیاقت اتنی کہاں خاکسار کو اس کے
که اس کی بخشش و ہمت کی کر سکے تقریر
مگر خدا سے دعا مانگتا ہے یہ دن رات
سپہر میں رہے جب تک ضیائے مہرِ منیر
سلامت اس کو رکھے احتشام و دولت سے
عدو کو اسکے کرے دہر میں ذلیل و حقیر

غرض صاحب بہادر کے تفضّلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی اور آگے کو امید بندھی کہ اگر یہ دامنِ دولت اپنے ہاتھ میں ہے تو انشاءاللہ ایک نہ ایک دن بیڑا پار ہو جائےَ گا۔

پھر ایک روز خداوندِ نعمت نے ارشاد کیا کہ قصّہ تاج الملوک اور بکاولی کا فارسی سے ہندی ریختہ کے محاورے میں تالیف کر کہ باعث سرخروئی اور یادگار تیری کا ہوگا اور موجب خوشنودی ہماری کا۔ چنانچہ اس نحیف نے حسب ارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلے کے موافق صاحب فلاطون فطنیت، والاشکوہ، عالی حشمت، فلک اشتباہ، مارکوئس ولیزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد میں اس کو ہندی میں تالیف کیا اور نام اس کا مذہب عشق رکھا، لیکن نظم کتاب کو کتنے موقع میں بالکل چھوڑ دیا اور بعضے مقام میں جو مناسب دیکھا تو بطور انتخاب کے ترجمہ کیا۔ کہیں تو نظم میں اور کہیں نثر میں۔ سوا اس کے عبارت کی ترکیب بھی بعضے مواقع میں بدلی ہے، بلکہ کہیں کہیں قلم انداز کی ہے۔ اب صاحبان سخن رس اور نکتہ دان صبح نفس سے یہ امید ہے کہ جہاں کہیں میدان عبارت میں نشیب و فراز دیکھیں وہاں اصلاح کی قلم سے ہموار کر دیں اور اس ہیچمدان کو اپنی نوازش سے ممنون فرماویں۔

# آغازِ داستان

کہتے ہیں کہ پورب کے شہروں میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام، جمال اس کا جیسے ماہ منیر، عدل و انصاف اور شجاعت میں بے نظیر۔ اس کے چار بیٹے تھے، ہر ایک علم و فضل میں علامۂ زماں اور جواں مردی میں رستمِ دوراں۔ خدا کی قدرت کاملہ سے ایک اور بیٹا آفتاب کی طرح جہاں کا روشن کرنے والا اور چودھویں رات کے چاند کی طرح دنیا کے اندھیرے کا

دور کرنے والا پیدا ہوا ۔ ابیات :

جبیں سے اس کی مہ نے داغ کھایا　　دھنک نے دیکھ ابُرو سر جھکایا
اگر چینِ جبیں اُس کی بناوے　　مصور چین کا چیں بول جاوے
بلا انگیز آنکھیں جادو آمیز　　دوساغر بے خودی سے جیسے لبریز
وہ گھونگریالی اس کی دیکھ کاکل　　پریشاں آج تک ہے حالِ سُنبل
جہاں مجروح ہو تیغِ نگہ سے　　پلک ہر ایک کج خنجر سے جھپکے
وہ مُکھڑا ماہ جس کو دیکھ للچاوے
پڑے خورشید کی نظر اُس پر تو ہل جاوے
عجب انداز سے تل گال پر تھا　　کہ گنج حسن پر کالا ہو بیٹھا
وہ سینہ تختۂ بلّور سا صاف　　کہیے تو بلک اک ہیرا تھا شفّاف
بباغِ حسن وہ سروِ سر افراز　　غرض سر تا بپا تھا غرق در ناز

بادشاہ نے باغ باغ ہو کر بڑا جشن کیا اور نجومیوں کو بلا کر فرمایا کہ اُس کی لگن دیکھو۔ ہر ایک نے لگن کنڈلی کھینچ کر اُس کا نام تاج الملوک رکھ دیا اور کچھ انگلیوں پر گن گنا کر عرض کی کہ یہ باغ عالم میں گل تازہ ہے ، اس کے نصیبوں میں دولتِ دنیوی بے اندازہ ہے ۔ صاحب ہمت اس طرح کا کہ اب تک نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ یقین ہے کہ ایسا شہریار ہو تو عالم جنّات بھی مطیع اور فرماں بردار ہوں مگر ایک قباحت بھی اس کے ساتھ ہے ۔ جب بادشاہ کی نظر اُس پر پڑے تو فوراً بادشاہ کی آنکھوں سے بینائی جاتی رہے ۔

بادشاہ نے کچھ شاد کچھ ناشاد ہو کر اُن کو تو رخصت کیا اور وزیر سے یہ فرمایا کہ ایک محل میں بہ تفاوت تمام ہمارے گزر گاہ سے اُس کی ماں سمیت رکھو ۔ چنانچہ بموجب ارشاد کے وزیر عمل میں لایا ۔

چند سال کے بعد وہ نونہال باغِ سلطنت کا کمال ناز و نعمت

سے پرورش پا کر ہوائے علم و ہنر سے سر سبز ہوا ۔

ایک روز اُس کو شکار کی خواہش ہوئی ۔ سوار ہو کر جنگل میں گیا اور ایک شکار کے پیچھے گھوڑا اُٹھایا ۔ سچ ہے کہ ہونے والی بات بے ہوئے نہیں رہتی ۔ ع ۔ تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھونا اتفاقاً بادشاہ بھی اُسی دن شکار کو سوار ہوئے تھے ۔ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے ہوئے اسی طرف آ نکلے۔ مشہور ہے ''کانے چوٹ کنوڈے بھیٹ'' جوں ہی شہزادے پر نگاہ پڑی وہیں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی ۔

ارکان دولت نے شہزادے کو دیکھ کر بادشاہ کے نابینا ہونے کا سبب دریافت کیا ۔ حضرت نے فرمایا کہ لازم یوں تھا کہ بیٹے کو دیکھ کر باپ کی آنکھیں اور روشن ہوں، سو یہ طُرفہ ماجرا ہے کہ برعکس ظہور میں آیا ۔ بس اب یہ بہتر ہے کہ اس کو میری ممالک محروسہ سے نکال دو اور اُس کی ماں کے واسطے خدمت جاروب کشی کی مقرر کرو ۔ یہ فرما کے بادشاہ اُلٹے پاؤں تخت گاہ کی طرف پھر آیا اور اُسے دیس نکالا دیا ۔

# دوسری داستان

## چار بیٹوں کے جانے میں گل بکاولی کے واسطے

کہتے ہیں جب بڑے بڑے حکیم مسیحا خصلت اور بوعلی طبیعت آنکھوں کے علاج کے لیے بلائے، سب نے متفق ہو کر عرض کی کہ گل بکاولی کے سوا اور کسی دارو سے ممکن نہیں کہ بادشاہ شفا پائے ۔ اگر کسی صورت سے گل بکاولی پیدا ہو تو حضرت کیا بلکہ اندھا مادر زاد بھی آنکھیں پائے ۔

یہ سن کر بادشاہ نے اپنے تمام ملک میں منادی پھرا دی کہ

جو کوئی گل بکاولی پیدا کرے یا اُس کی خبر لائے تو اس کو بہت انعام و اکرام دے کر نہال کروں ۔

اس طرح بادشاہ نے ایک مدت تک اُس کے انتظار میں رو رو کر حضرت یعقوب[۴] کی طرح اپنی آنکھوں کو سفید کیا اور اُس غم میں مانند حضرت ایوب[۴] کے آپ کو گھلا دیا ۔ ہر چند کہ خون جگر پیا لیکن کسی طرف سے کچھ اُس کا سراغ نہ ملا ۔

ایک روز چاروں بیٹوں نے بادشاہ کی خدمت میں دست بستہ عرض کی کہ سعادت مند وھی لڑکا ھے کہ جو ماں باپ کی خدمت بجا لائے اور اگر سعی اور کوشش میں جان دے تو سعادت دارین پائے ۔ اس واسطے ہم امیدوار ھیں کہ ھمیں رخصت فرمائیے تو گل بکاولی کی تلاش کو نکلیں ۔

بادشاہ نے فرمایا کہ ایک تو آگے ھی میں اپنی آنکھیں کھو بیٹھا ھوں اور چشم کو رو بیٹھا ھوں۔ وہ داغ اب تک جگر سے نہیں گیا ۔ جو چشم و چراغ ھیں ان کو برباد کس طرح ھونے دوں ؟ یہ صدمہ دیدہ و دانستہ دل پر لوں ۔

شہزادوں نے پھر مکرر عرض کی ، تب چار و ناچار بادشاہ نے رخصت دی اور وزیروں سے فرمایا کہ اسباب سفر کا جو چاھیے وہ مہیا کرو ، چنانچہ انھوں نے بہ موجب حکم کے نقد و جنس و دواب و لشکر سے لے کر جتنا کہ چاھیے تھا موجود کر دیا ۔

تب بادشاہ سے رخصت ھو کر شہزادوں نے اپنا رستہ لیا ۔

شہزادے منزل بہ منزل جاتے تھے ، اتفاقاً تاج الملوک کہ جس کو باپ نے شہر بدر کیا تھا ، دشت آورگی کو قدمِ پریشانی سے ناپتے ناپتے اُن سے دوچار ھوا اور کسی سے پوچھا کہ یہ کون ھیں اور کہاں جاتے ھیں ؟

اُس نے بادشاہ کے اندھے ھونے کا ، اور سبب اُن کے سفر کا

گل بکاولی کی تلاش کے واسطے تاج الملوک سے بیان کیا ۔

شہزادے نے دل میں کہا ۔ مصرع : کہ اٹھ بخت کو تو بھی اب آزما ۔ مصلحت نیک تو یہ ہے کہ میں بھی بھائیوں کے ساتھ گل بکاولی کی جستجو کروں اور اپنی قسمت کو محکِ امتحان پر کسوں ۔ اس میں اگر دامن کو گلِ مراد سے بھروں تو فھوالمراد ، نہیں تو اس وسیلے سے باپ کے ملک سے باہر نکلوں ۔

یہ دل میں ٹھان کر ایک سردار کے پاس کہ نام اس کا سعید تھا ، گیا اور بہ ادب تمام سلام کیا ۔

اس کی نظر جو شہزادے پر پڑی تو دیکھا کہ اس کے گالوں کی چمک خورشید کی روشنی کے ساتھ برابری کر رہی ہے اور چاند سی پیشانی زلفِ شب رنگ کے پہلو میں ماہِ تمام کی طرح جلوہ گری کر رہی ہے ۔ پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آنا ہوا ؟

تاج الملوک نے عرض کیا کہ میں بےچارہ غریب مسافر ہوں اور بے کس آشفتہ خاطر ہوں ۔ نہ کوئی غم خوار ہے کہ غم خواری کرے ، نہ یار ہے کہ شرط یاری بجا لائے ، نہ کوئی مددگار ہے کہ مدد گاری کرے ۔

سعید نے اس یوسف ثانی کی شیریں بیانی سے محظوظ ہو کر بصد آرزو اور خواهش اپنی رفاقت میں رکھا اور ہر روز الطاف زیادہ کرتا ۔

کہتے ہیں کہ شہزادے ایک مدت کے بعد شہر فردوس میں کہ تخت نشین وہاں کا رضوان شاہ تھا، پہنچے اور شام کے وقت دریا کے کنارے اس ارادے سے کہ چند روز یہاں ٹھہریں ، خیمے ایستادہ کیے ۔

جب مسافر آفتاب ملک مغرب کی سیر کو گرم رفتار ہوا اور سیاح ماھتاب رات کے مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر مشرق کی

طرف سے باگ اٹھا کر چلا تب چاروں شاہزادے اپنے اپنے سمند باد رفتار پر سوار ہو کر بہ‌طریق سیر شہر میں آئے اور ادھر ادھر گشت کرنے لگے ۔ اس میں ایک محل منقش اور مکلف کہ جس کے جابجا دروازوں پر زردوزی کے پردے پڑے ہوئے تھے ، نظر آیا ۔

وہاں کے باشندوں میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ مکان عالی شان کس کا ہے ؟

اس نے جواب دیا کہ اس کی مالک دلبر بیسوا ہے ۔

شہزادوں نے کہا ''اللہ‌اکبر یہ محل بادشاہی اس نے کہاں پایا ؟''

وہ شخص پھر کہنے لگا کہ یہ رنڈی اس زمانے میں یکتا ہے اور ملاحت میں بے ہمتا ، شہرۂ آفاق ، اپنے کام میں طاق ، رعنائی اور زیبائی میں نہایت دلجو ، خوبی اور دلربائی میں بغایت خوب رو ، چشم خورشید کی مدام اس کی شمعِ جمال پر پروانے کی طرح شیدا اور چہرۂ ماہتابِ دوام اس کے مکھڑے پر فدا ۔ ابیات :

کسی نے راہ میں اس کے اگر قدم مارا
تو اپنی عقل کی فہرست پر قلم مارا
اسی نے بیچ دیا ناموس و ننگ کو اپنے
کہ جس نے ذرہ بھی خواہش میں اس کے دم مارا

صاحبانِ مباشرت کے واسطے ایک نقارہ مع چوب اس نے اپنے دروازے پر رکھا ہے، جو کوئی جا کر اسے بجائے تو وہ عیار زمانے کی گھر میں اسے بلائے اور لاکھ روپے لے ، تب ایک بار اس سے ملے ۔

شہزادے کہ اپنی دولت اور مال پر نہایت مغرور تھے ، نشۂ بادۂ نخوت سے چور تھے، نشانِ ہمت اس کے میدان شوق میں بلند کر کے دروازے پر گئے اور بے تحاشا نقارہ بجا دیا ۔

سنتے ہی اُس مکارۂ دوران نے دل میں کہا کہ الحمد للہ۔ مدتِ مدید کے بعد کسی ایسے نیک بخت نے میرے گھر کا قصد کیا۔ چاہیے کہ میرے حجرے کو روشن کرے، اور ایسے موٹے تازے شکار نے میرے جال میں آنے کا ارادہ کیا۔ اغلب ہے کہ دام میں پھنسے، پَھڑک پَھڑک کر مرے۔ نقل مشہور ہے کہ یہ طائفہ اسی تردّد میں رہتا ہے کہ کوئی عقل کا اندھا گانٹھ کا پورا ملے، سو خدا نے ویسے ہی شخص بھیج دیے۔ جھٹ پٹ بناؤ سنگار کر کے زیورِ مرصّع، لعل، موتی، ہیرا، زمرد، جابجا موقعے سے پہن کر بڑی آن بان سے بن ٹھن کر بیٹھی۔

اس میں یہ بھی آ پہنچے۔ چند قدم استقبال کر کے ہر ایک کو سونے کی کرسی پر بٹھایا۔

اتنے میں کچھ رات گئی کہ ساقیانِ گل عذار شیشۂ شراب اور ساغرِ زرنگار لیے حضور میں آئے اور جام کو گردش میں لائے۔

اسی طرح آدھی رات گئی، تب اُس عیار نے کہا "اگر اجازت ہو تو تختۂ نرد منگاؤں، باقی رات اس شغل میں بسر ہو کہ سحر ہو"۔

شہزادوں نے کہا "منگاؤ اس سے کیا بہتر؟"

مکارہ نے ایک بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپے کی بازی بد کر کھیلنے لگی۔

لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ شہزادوں نے اُس آدھی رات کے عرصے میں پچاس لاکھ روپے ہارے۔ اس میں خورشیدِ جہاں گرد زمردی تختے پر نمودار ہوا اور سیمیں مہرۂ ماہ اپنے گھر گیا۔ اس مکرھائی نے بھی بساط بازی لپیٹی۔ شہزادے اپنے مکان کو گئے۔

دوسرے روز جب آفتاب سیّاحوں کی طرح مغرب کی منزل میں پہنچا اور ماہتاب بادشاہوں کی صورت سپاہِ انجم کو لیے

تختِ فیروزہ رنگ پر رونق بخش ہوا۔ شہزادے اسی آن بان سے اس کے مکان میں آئے اور بدستور سونے کی چوکیوں پر اجلاس فرمایا ۔ حور لقا لونڈیاں خدمت میں آ کر حاضر ہوئیں اور طرح طرح کا کھانا سونے چاندی کے خوانوں میں لا کر دستر خوانوں پر چن دیا ۔

بعد تناولِ طعام تختۂ نرد منگوا کر دس لاکھ روپے کی بازی بد کر کھیلنے لگے۔ غرض اُس رات کو سب مال و متاع ، نقد و جنس، ہاتھی گھوڑے ، اونٹ وغیرہ جس قدر کہ رکھتے تھے ہار گئے ۔ تب اس مکارہ نے بازی سے ہاتھ کھینچ کر کہا ''اے جوانو! تمھارا سرمایہ آخر ہو چکا ، اب بساط بازی لپیٹو ، اپنے گھر کی راہ لو''۔

شہزادوں نے کہا کہ اب کی بار ہم زورِ طالع کو ترازوئے امتحان میں تولیں ۔ اگر ہمارے بخت کا پلّہ جھکے تو اپنی ہاری ہوئی سب نقد و جنس کہ گرہ میں تو نے باندھی ہے، کھول لیں ۔ نہیں تو ہم چاروں تیرے فرمان بردار ہیں، غلام ہو کر رہیں ۔ کچھ نہ بولیں ۔

جب یہ قول و قرار ٹھہرا تب اُس اُچھال چھکا نے طرفۃالعین میں وہ بھی بازی جیت لی اور بہت اسباب نقد و جنس اپنی سرکار میں داخل کیا ۔ ان کو قیدیوں کے سلسلے میں کہ ویسے سیکڑوں تھے بھیج دیا ۔ لشکر اور سپاہ اور رفیق اُن کے گلِ خزاں دیدہ کے پتوں کی طرح درہم برہم ہو گئے ۔

تاج الملوک نے دل سے مصلحت کی کہ اب کچھ ایسی حکمت کیا چاہیے جو اُن کی خلاصی کا سبب ہو ۔ مجھ سے جو یہ کام نمایاں ہو ، دنیا میں نام ہو ، آخرت میں اجر فراواں ہو ۔

یہ دل میں سوچ کر شہر میں آ ایک امیر کے درِ دولت پر جا کر دربانوں سے کہا ۔ ''مسافر ہوں بے خانماں ، کسی قدر دان امیر کو ڈھونڈھتا ہوں ۔ تمھارے صاحب کے اوصافِ حمیدہ اور

اور اخلاقِ پسندیدہ سن کر آیا ہوں ، اگر بندہ کو اپنی بندگی میں لیں اور بندہ نوازی فرمائیں ، بہ دل و جان خدمت بجا لاؤں ۔

ان میں سے ایک نے جا کر امیر کی خدمت میں شہزادے کی کیفیت بیان کی ۔ فرمایا ”اُسے حاضر کر !“

وہ لے گیا ، امیر نے اُس کے منہ کو دیکھ کر کہا ”یا الٰہی ! کیا آفتاب چوتھے آسمان سے انسان کے قالب میں آیا یا کوئی ِغلمان بہشتِ بریں سے ؟

پیشانیِ نازنین پہ اُس سے چمکے تھا ستارۂ بلندی

غرض کہ امیر نے اس کو اپنی خدمت میں سرفراز کیا ۔

# تیسری داستان

## تاج الملوک کے تختۂ نرد کھیلنے کی دلبر لکھا بیسوا سے اور جیتنے میں مال اور اسباب کے ۔

جب تاج الملوک کو امیر کی خدمت میں کئی مہینے گزرے اور اس نے اپنی وجہ مقرر سے کچھ روپے جمع کیے ، ایک روز اُس کی خدمت میں عرض کی کہ ایک فدوی کے آشناؤں میں سے اس شہر میں تازہ وارد ہے ، اگر حکم ہو تو ہر روز چار گھڑی کے واسطے اُس کے پاس جایا کروں ، دل بہلایا کروں ۔

امیر نے فرمایا ”بہتر“ !

پس شہزادہ ہر روز تختۂ نرد کھیلنے والوں کے پاس جا بیٹھتا اور کھیلتا ۔

جب اس کے قانون دریافت کر لیے اور ہر ایک سے بازی ہاتھ آنے لگی ، یہ تجویز کیا ، اب اس عیّارن سے کھیلیے اور اپنے

طالع کے قرعے کو تختۂ امتحان پر پھینک کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

پھر تو ایک روز شہزادہ اس کے دروازے پر گیا۔ دیکھا کہ ایک بڑھیا اندر سے باہر آتی ہے، کسی سے پوچھا ”یہ کون ہے؟“

اس نے کہا ”یہاں کی یہی مدارالمُہام ہے، بے صلاح اس کے وہ کچھ کام نہیں کرتی“۔

تاج الملوک نے دل سے کہا کہ اب کچھ مکر پھیلایا چاہیے، دامِ محبت میں اس کو لایا چاہیے، اس کے ہاتھ میرا کام نکلے تو نکلے۔

اس دن تو شہزادہ چلا آیا، پھر ایک روز وہی بڑھیا اس کو دکھائی دی، سلام کیا اور پاؤں پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔

بڑھیا نے پوچھا ”تو کون ہے اور کہاں سے آیا؟ مگر دیوانہ ہے یا مظلوم کہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے“۔ شہزادے نے کہا۔ ابیات:

کیا پوچھتی ہے مجھ سے میں ہو رہا ہوں مضطر
دنیا میں کوئی مجھ سا ڈھونڈے نپاوے کمتر
آتش سے غم کی سینہ میرا جلا بھنا ہے
دو دن کی زندگانی میری یہ اب بلا ہے
گردش سے آسماں کی کیا کیا ستم ہے مجھ پر
سایہ بغیر اپنا ساتھی نہیں نہ رہبر

اے ماما مسافر ہوں بے سر و پا، اس شہر بیگانہ میں نہ کوئی یار نہ آشنا، بجز باری تعالیٰ کی ذات کے نہ اپنا کوئی پشت پناہ نہ کسی کا آسرا، پورب دیس میں میرا وطن ہے، ایک میری دادی

تھی وہ بھی قضائے الٰہی سے کئی برس ہوئے کہ اس عالمِ فنا سے ملک بقا کو کوچ کر گئی ۔ اس کے تمام آثار تجھ میں پائے ، اس واسطے بصد آرزو تیری پا بوسی کی ۔ اگر میرے حال زار کو الطاف کی نظر سے تو دیکھے اور اس عاجز کی غریبی اور بے کسی پر رحم فرمائے تو میں تیرا ہو کر رہوں اور دادی کی جگہ تجھ کو تصوّر کروں ۔ بیت :

نظر سے اپنی جو کرتے ہیں خاک کو اکسیر
کبھی تو گوشۂ چشم اس طرف کریں للہ

ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ اس پیر زال کا دل پھسل گیا ، بلکہ شعلۂ آواز سے موم کی مانند پگھل گیا ۔ بولی کہ اے جوان ! میرا بھی اس جہاں میں کوئی نہیں رہا ، آج سے میں تیری دادی تو میرا پوتا ''۔

پھر تاج‌الملوک نے کہا ۔ ''دادی صاحب کئی روز سے میں ایک جگہ نوکر ہوں ، اس کی فرماں برداری لازم ہے ، ہر روز تمھاری قدم بوسی کے واسطے نہ پہنچ سکوں گا ، مگر کبھی کبھی ۔

بڑھیا نے کہا ''بیٹا کیا مضائقہ ہے ''۔

اگرچہ شہزادے نے ہر روز کے آنے کا عذر کیا لیکن مدام اس غم خوار کے گھر جاتا اور چاپلوسی اور تملق کی باتیں بناتا ۔ آخرش رفتہ رفتہ اس کا محرم راز ہوا ۔

اسی طرح سے کچھ روز گزرے ۔ ایک دن شہزادہ کچھ روپے اس کے پاس لے گیا اور کہا ''دادی صاحب یہ روپے رکھ چھوڑو ۔ اگر کسی کام میں درکار ہوں تو خرچ کرو ''۔

وہ بولی ''بیٹا تیرے روپے میں لے کر کیا کروں گی ۔ خدا کا دیا میرے گھر سب کچھ ہے ، کس چیز کی کمی نہیں ۔ اگر تجھے کسی کام کے لیے کچھ درکار ہو تو یہ نقد و جنس تیرا ہے ۔

بے وسواس اپنے تصرّف میں لا ''۔ شعر :

کھانے کے لیے یہ زر ہے اے نورِ بصر
رکھنے کے لیے تو سنگ و زر یکساں ہے

غرض شہزادے نے جب اس کو اپنے حال پر مہربان پایا ، ایک روز ادھر آدھر کا تذکرہ کرکے کہنے لگا کہ اے دادی صاحب! تم کو کچھ معلوم ہے کہ جو کوئی اس عیارنی کے ساتھ تختۂ نرد کھیلتا ہے اس سے بازی نہیں پاتا ؟''

اس نے جواب دیا ''بیٹا یہ راز بہت نازک ہے ، خبردار ہرگز کسی سے نہ کہیو ، ایسا نہ ہو کہ یہ بات طشت از بام اگر اس کی بھنک اُس خام پارہ کے کان میں پہنچے تو میرے زوال کا باعث ہو ''۔

شہزادے نے کہا ''استغفراللہ یہ کیا بات ہے ''۔

بڑھیا بولی کہ اس نے ایک بلی اور چوہے کو پرورش کر کے یہ سکھایا ہے کہ بلی کے سر پر چراغ رکھے تو وہ لیے رہے اور چوہا چراغ کے سائے بیٹھا رہے ، جب اس کی خاطر خواہ پانسا نہ پڑے تب بلی چراغ کو ہلا کر نردوں پر سایہ کرے اور چوہا پانسے کو اس کے حسب دل خواہ الٹ دے ۔ پس جو کوئی اس سے کھیلنے آتا ہے وہ بے چارہ بازی ہار جاتا ہے اور یہ بلی چوہے کی مدد سے بازی جیت لیتی ہے ، لیکن کسی کھلاڑی پر یہ بھید آج تک نہیں کھلا اور جو کوئی اس ارادے پر آیا اُس نے داغ ندامت اپنی پیشانی پر کھایا ۔

تاج الملوک جب یہ بات دریافت کر چکا ، بازار میں گیا اور نیولے کا بچہ مول لے کر اسے آستین میں رکھ کر یہ سکھانے لگا کہ جوں ہی وہ چٹکی کی آواز پائے وہیں بچۂ پلنگ کی طرح آستین سے کود کر باہر آئے ۔

جب اس طرح سکھا کر اسے طاق کیا تب ایک روز شہزادے نے بڑھیا سے یہ فکر پھیلایا کہ میں اب اس نوکری سے اداس ہوا ہوں ، اگر تو ہزار روپے سے میری مدد کرے تو تجارت کروں ۔

بڑھیا نے کوٹھری میں لے جا کر کہا کہ دیکھ بیٹا یہ سب روپے حاضر ہیں ، جتنا جی چاہے اتنا لے لے "۔

تب شہزادہ ہزار روپے اس سے لے کر امیر کی خدمت میں گیا اور عرض کی کہ میرے آشناؤں میں سے ایک شخص کا آج بیاہ ہے اگر سرکار سے ایک خلعت فدوی کو مرحمت ہو تو اس مجلس میں جائے ، ہم چشموں میں عزت پائے "۔

امیر نے اپنا ملبوس خاص شہزادے کو عنایت کیا اور فرمایا "گھوڑوں میں سے بھی جو تیرے پسند ہو لے جا "۔

تب تاج الملوک حضور کے خاصے پر سوار ہو کر اس بیسوا کے دروازے پر گیا اور گھوڑے سے اتر کر بے باکانہ قدم اندر رکھا۔ اس کی ہیئت سے اس کے منہ کا رنگ اڑ گیا۔ گھبرائی، استقبال کے لیے دوڑی آئی ۔ شہزادے نے کہا کہ تو ایک مدت سے اس شہر میں مسافروں کی دم ساز رہتی ہے ، عاشق مزاجوں کی ہم‌راز رہتی ہے اور میں کہ اس شہر کے والی کا خاص ہوں ، کبھی مجھ سے رجوع نہیں ہوئی ۔ بہر حال لا کچھ تحفہ یاروں کی بھی نذر کر ۔

اس نے شاہزادے کو باعزاز تمام جڑاؤ کرسی پر بٹھایا اور آپ ہٹ کر نیچے بیٹھی ۔

اس میں شاطر فلک کج باز نے آفتاب کی سنہری نرد کو مغرب کے گھر میں چھپایا اور فرق دان کی روپہلی گوٹوں کو تختۂ طلوع پر بٹھایا ۔ شہزادے نے کہا "میں نے سنا ہے کہ تجھ کو تختۂ نرد کھیلنے کا بڑا شوق ہے ، آ ایک بازی کھیلیں ۔

اس مکرھائی نے پہلے تو انکار کیا ، آخرش شہزادے کے کہنے سے تختۂ نرد منگوا کر بدستور بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپے کی بازی بد کر پانسا پھینک دیا ۔

پہلی بازی تو شہزادے نے جان بوجھ کر ہار دی اور اس نے چوھے بلی کی مدد سے جیت لی ۔ پھر دوسری بازی رکھ کر کھیلنے بیٹھے ۔ جو ایک پانسا اس کے خاطر خواہ نہ پڑا تو وھیں بلی نے سر ھلایا ۔ چوھے نے چاھا کہ پانسے کو الٹ دے ، تاج الملوک نے چٹکی بجائی ، نیولا بچۂ پلنگ کی طرح جست کر کے آستین سے نکلا ، چوھا تو اس کی صورت دیکھتے ھی کافور ھو گیا اور بلی پر بھی دہشت غالب ھوئی ، چراغ سر سے پھینک کر ھوا ھوئی ۔ شہزادے نے برھم ھو کر کہا "اے عیارنی تو نے کیا بھگل نکالا ھے ۔ باوجودیکہ تیرے گھر گوھر شب چراغ تک ھیں، ایک شمع دان بھی نہیں رکھتی ھے ؟"

وہ اس گفتگو سے نہایت خجل ھوئی ، غیرت سے پسینے پسینے ھوئی ۔ اسی وقت جڑاؤ شمع دان منگوا کر رکھا اور دونوں پھر اسی کام میں مشغول ھوئے ۔

کہنے والے نے یوں کہا ھے کہ شہزادے نے اسی رات میں سات کڑوڑ روپے جیتے ۔

اس میں صبح صادق ھو گئی ۔ تاج الملوک نے کہا کہ اب حضرت جہاں پناہ کے ناشتے کا وقت عنقریب آ پہنچا ھے ، اگر اس وقت میں حضور میں حاضر نہ ھو سکا تو موجب قباحت ھوگا ۔

یہ کہ کر اٹھ کھڑا ھوا اور وہ روپے شام کے وعدے پر اس کے پاس چھوڑ کر امیر کی خدمت میں آ کر حاضر ھوا ۔

شام کے انتظار میں تمام دن جوں کا توں کاٹا ۔ سورج کے ڈوبتے ھی سج سجا کے ایک ایسے گھوڑے باد رفتار پر کہ جس کی

جلدی سے باد صبا بھی ہر دم دمِ سرد بھرتی تھی ، سوار ہو کر اس کے گھر پہنچا ۔

یہ خبر سن کر اس نے چند قدم چار ناچار استقبال کیا اور شہزادے کو بدستور کرسی پر لا کر بٹھایا ۔

کھانا کھانے کے بعد کڑوڑ روپے کی بازی بد کر کھیلنے لگی ۔ کہتے ہیں کہ اس کھلاڑن نے آدھی رات کے عرصے میں قریب سو کڑوڑ کے جو اس کے خزانے میں تھے ہار دیے ۔ تب ششدر ہو کر شش و پنج کرنے لگی ۔ آخر اثاث‌البیت کی نوبت پہنچی ، وہ بھی تاج‌الملوک کے ہاتھوں ہاتھ ، ہاتھ لگا ۔ پھر اس نے کہا ”اب تیرے پاس کچھ باقی نہیں رہا ، اتنی رات کس شغل سے کٹے گی؟ اب پورب اور پچھم کے شہزادے جو تو نے قید کیے ہیں ، ان پر بھی ایک بازی کھیل ۔ اگر تو جیتی تو لاکھ روپے میں دوں ، نہیں ان کو بھی لے لوں اور جو چاہوں سو کروں “۔

اس بات پر وہ راضی ہوئی ۔ پلک مارتے شہزادے نے وہ بھی بازی جیت لی ۔ تب وہ بولی ”اے جوانِ جواں بخت ! ایک بار اور میں اپنا نصیب آزماؤں ، اگر یہ بازی میرے ہاتھ آئی تو اپنی سب جنس ہاری ہوئی تجھ سے پھیر لوں ، نہیں تو تیری لونڈی ہو کر رہوں “۔

شہزادے کے طالع کا ستارہ آسمان ترقی پر چمک رہا تھا ، بات کی بات میں وہ بھی بازی جیت لی ۔ تب وہ سرو قد اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ اے جوان ! خدا کی مدد سے تو نے مجھے اپنی لونڈیوں میں ملایا ، غرض کہ جس شکار کے واسطے ساری زمین کے بادشاہوں نے تمام عمر صرف کی ، بخت بلند کی مدد سے اس کو تو نے ہاتھوں ہاتھ پکڑ لیا ۔ اب یہ تیرا گھر ہے ، مجھ کو اپنے نکاح میں لا اور باقی عمر دولت و حشمت کے ساتھ یہیں بسر کیے جا “۔

تاج الملوک نے کہا ''یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ مجھے ایک بڑی سہم در پیش ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں اس پر فتح یاب ہوا تو البتہ تو بھی کامیاب ہوگی۔ اب تجھے لازم ہے کہ بارہ برس تک میرے انتظار میں نیک بختی کا لباس پہن کر حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے کسب سے ہاتھ اٹھائے''۔

اس نے کہا ''اے بوستانِ سرداری کے نونہال! اب تک تیری گلشن جوانی کا شگوفہ بھی نہیں پھولا اور بہارستانِ شباب کے چمنوں کو باد صرصر کی پیری کا جھونکا بھی نہیں لگا۔ کیا لازم ہے جو تو سفر کر کے آتش کدۂ محنت میں عمداً آپ کو گرائے اور آتش سرگردانی، قصر شادمانی میں قصداً لگائے؟ مجھ کو بھی اس کیفیت سے مطلع کر کہ میں بھی تیرے ساتھ جب تک میرے قالب میں جان رہے اور وہ سہم سر نہ ہو، سعی و تردّد کروں کہ اب مجھ کو تیرے بغیر یہ گھر بندی خانہ ہے''۔ بیت:

اے فصیحیؔ گھر بغیر از یار کے زندان ہے
ہر در و دیوار پر لکھ دیجیے اس بات کو

جب اس علامہ نے اس راز سر بستہ کو کھولنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا، تب شہزادے نے کہا ''سن! میرا نام تاج الملوک ہے اور زین الملوک، شرقستان کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ قضاکار میرے باپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حکیموں اور طبیبوں نے بالاتفاق گل بکاولی کے سوا اور کچھ دوا تجویز نہ کی۔ اس روز سے میرے چار بھائی جو چند روز سے تیری قید میں ہیں، گل مذکور کی تلاش کو نکلے ہیں۔ میں بھی خفیہ ان کے ساتھ تھا، وہ تو تیرے مکر و فریب کے دام میں پھنس گئے، میں سیکڑوں حیلوں سے تجھ تک پہنچا اور غالب ہوا۔ اب اس کی تلاش میں جاتا

ھوں اور گلِ مقصود میرے ھاتھ آیا تو آیا ، نہیں تو اس کے پیچھے جان لے کہ میں نے اپنی جان سے ھاتھ اُٹھایا "۔

اس نے سن کر کہا "اے شہزادے ! یہ کیا خیال باطل تیرے دل میں سمایا اور اندیشۂ فاسد تیرے جی میں آیا ۔ ذرّے کو مجال کیا کہ آپ کو آفتاب کی منزل تک پہنچائے ، پرند کی کیا طاقت کہ آپ کو ھمدم صبا بنائے ۔ سن ! بکاولی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ھے ۔ اس کے باغ میں وہ گل ھے ، پر اس چاردیواری کو آفتاب بھی نظر اُٹھا کے نہیں دیکھ سکتا ۔ ھزاروں دیو اس کی نگہبانی کے واسطے چاروں طرف مستعد رھتے ھیں ۔ کسی ذی روح کو طاقت نہیں کہ بے اجازت ان کے وھاں تک پہنچے ۔ اور بےشمار پریاں پاسبانی کے لیے ھوا پر مقرر ھیں کہ کوئی پرندہ پر نہ مارے۔ ان کے سوا زمین پر سانپ ، بچھو لاانتہا آٹھ پہر چوکی دیتے ھیں کہ کوئی اس راہ سے بھی اس کے پاس نہ پہنچ سکے۔ اور زمین کے نیچے چوھوں کا بادشاہ ھزاروں چوھوں کے ساتھ دن رات خبرداری کرتا ھے کہ سرنگ کی راہ سے بھی کسی کی رسائی نہ ھو ۔ سچ تو یہ ھے ، چیونٹی چاھے کہ رینگتی ھوئی کسی حیلے سے اس تک پہنچے، ممکن نہیں ۔ اے شہزادے ! تو اس خرابی میں زنہار گرفتار نہ ھو ۔ قرآن شریف میں آیا ھے کہ نہ ڈالو تم اپنے ھاتھ ھلاکت کی طرف ۔ اور شیخ سعدیؒ شیرازی نے بھی فرمایا ھے جس کا ترجمہ یہ ھے ۔ بیت :

کوئی مرتا نہیں ھے بن آئے لیک تو مُنہ میں اژدھے کے نہ جا

شہزادے نے کہا "فی الحقیقت یہی بات ھے ، مگر حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے خلیل اللہؑ پر آگ کو گلزار کیا تھا ۔ اگر میں عاشق ثابت قدم ھوں اور میرے عشق کا جذبہ صادق ھے تو البتہ شاھد مراد کے دامن تک میرا دست رس ھوگا ۔ ع :

کیا کر سکے ھے دشمن جو دوست مہربان ھو

تو میرے چھوٹے سے قد پر نہ جا ۔ اگرچہ بنی آدم قوت میں دیو سے کم‌تر ہیں ، لیکن فہم و فراست میں زیادہ تر ہیں ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''ہر آئنہ بزرگی دے دی ہے میں نے بنی آدم کو''۔

## حکایت برہمن اور شیر کی

وہ تو نے سنی ہے یا نہیں کہ کسی جنگل میں ایک روز برہمن کا گزر ہوا ۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر موٹی رسّی سے جکڑا ہوا پنجرے میں بند ہے ۔ وہ اس کو دیکھ کر نہایت غریبی سے گڑگڑانے لگا کہ اے دیوتا ! اگر تو میرے اس حال زار پر رحم کرے اور اس قید سے مجھ کو نجات دے تو اس جان بخشی کے عوض ایک نہ ایک دن میں بھی تیرے کام آؤں گا ۔

برہمن سادہ لوح کا دل شیر کے بلبلانے پر بھر آیا ؛ مگر عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھا کہ دشمن ہے، اس کی بات کا اعتبار نہ کیا چاہیے ۔ بے تامل قفس کا دروازہ کھول کر اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیے ۔

بند سے خلاص ہوتے ہی اس خون خوار نے اس کوتہ اندیش کو گردن سے پکڑ کر اپنی پیٹھ پر ڈال لیا اور وہاں سے چل نکلا ۔
بیت ، شعر سعدیؒ :

نکوئی با بداں کردن چنانست     کہ بد کردن بجائے نیک مرداں
(نیکی کرنی بدوں سے ایسی ہے     جیسے نیکوں سے کی بدی تو نے)

برہمن نے کہا ''اے شیر میں نے تجھ سے بھلائی کی نیکی کی امید پر اور تو ارادہ بدی کا رکھتا ہے ؟ ع

میں نیکی سے گزرا ، بدی بھی نہ کر

شیر بولا ''ہمارے مذہب میں نیکی کی جزا بدی ہے۔ اگر میرے

کہنے کا اعتبار نہ ہو تو چل کسی دوسرے سے پچھوا دوں، جو وہ کہے سو صحیح ۔ اس بات پر وہ گوبر گنیش راضی ہوا ۔

اس جنگل میں بڑا پرانا برگد کا درخت تھا ۔ شیر اور برھمن اس کے نیچے گئے ۔ شیر نے اپنی درخواست اس سے ظاھر کی، اس نے اس کے جواب میں کہا ''شیر سچ کہتا ھے، اس وقت میں نیکی کا بدلہ بدی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اے برھمن! سن کہ میں بر سر راہ ایک پاؤں سے کھڑا ھوں اور سب چھوٹے بڑے مسافروں پر سایہ کرتا ھوں، لیکن جو مسافر گرمی کا مارا ھوا میرے سائے میں آ کر دم لیتا ھے، بیٹھ کر ھوا کھاتا ھے، وہ چلتے وقت اپنے سر پر سایہ کرنے کو میری ڈالی توڑ کر لے جاتا ھے ۔ کوئی میری شاخ کی لاٹھی بناتا ھے ۔ کہو بھلائی کا عوض برائی ھے یا نہیں''۔

شیر نے کہا ''کہو دیوتا اب کیا کہتے ھو؟''

اس نے کہا ''کسی اور سے بھی پوچھ''۔

شیر نے چند قدم آگے جا کر راستے سے اس بات کو پوچھا ۔ اس نے کہا ''شیر سچا ھے ۔ سنو مصر جی! مسافر مجھے بھول کر ادھر آدھر بھٹکتا پھرتا ھے ۔ جب میں اسے ملتا ھوں تب وہ بہ آرام تمام اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ھے، لیکن اس کے بدلے وہ میری چھاتی پر پیشاب کرتا ھے، جا، ضرور بھی پھرتا ھے''۔

برھمن بولا ''تیسرے سے اور بھی دریافت کر ۔ پھر جو تیری رضا ھو وھی بہتر ھے''۔

شیر آگے بڑھا، سامنے سے ایک گیدڑ ٹیلے پر بیٹھا نظر آیا ۔ اس نے ارادہ بھاگنے کا کیا ۔ شیر للکارا کہ اے گیدڑ تو کچھ اندیشہ نہ کر، ھم ایک بات پوچھنے تیرے پاس آتے ھیں''۔

تب وہ بولا کہ حضرت کو جو کچھ ارشاد کرنا ھے دور سے

فرمائیے کہ خود بدولت کے رعب سے اس عاجز کا طائرِ ہوش و حواس اُڑا جاتا ہے ''۔

شیر نے کہا کہ اس برھمن نے مجھ سے نیکی کی ہے اور میں اس سے ارادہ بدی کا رکھتا ھوں ۔ تو کہ اس مقدمے میں کیا کہتا ہے ؟''

گیدڑ نے عرض کی ''یہ بات جو آپ ارشاد کرتے ھیں اس خاکسار کے خیال میں نہیں آتی ۔ آدمی کی کیا مجال جو قوی ھیکل جانوروں کے شہنشاہ سے کہ جس کے رُوبرو انسان پشّے سے بدتر ہے ، کچھ نیکی کر سکے ۔ مجھ کو اس بات کا ھرگز اعتماد نہیں آتا ، جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں ''۔

شیر نے کہا ''آ ھم دکھا دیں''۔

پھر شیر برھمن کو لیے آگے آگے اور گیدڑ آھستہ آھستہ پیچھے پیچھے روانہ ھوا ۔

ایک آن میں پنجرے کے پاس تینوں آ کر پہنچے ۔ برھمن نے کہا ''اے گیدڑ ! شیر اسی میں بند تھا ۔ میں نے خلاص کیا ، کہ تیرا کیا فتویٰ ہے ؟''

گیدڑ بولا کہ اتنا بڑا شیر اس چھوٹے سے پنجرے میں کیونکر تھا ؟ اب میرے رُوبرو پھر اس میں جائے اور جس طرح اس کے ھاتھ پاؤں بندھے تھے اسی صورت سے باندھ کر پھر تو کھولے تو میں جانوں ''۔

شیر اندر گیا اور برھمن اس کے ھاتھ پاؤں باندھنے لگا ۔ گیدڑ نے کہا ''اگر آگے سے اس کے باندھنے میں کچھ بھی فرق ھوا تو باللہ میں ھرگز اس بات کا جواب نہ دے سکوں گا ''۔

اس نے گیدڑ کے کہنے سے شیر کو خوب مضبوط باندھا اور

پنجرے کا دروازہ بند کر کے کہا ''اے گیدڑ! دیکھ اس طرح گرفتار تھا جو میں نے کھولا ''۔

گیدڑ بولا ''پتھر پڑیں تیری عقل پر۔ اے نادان! ایسے دشمن قوی سے نیکی کرنی اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنی ہے۔ تجھے کیا ضرور کہ دشمن کو قید سے چھڑائے۔ جا اپنی راہ لے۔ دشمن تیرا مغلوب ہوا۔

اے عزیز! سچ ہے جو کوئی بے صبری اور فریاد اپنے نفس کی جو مثل شیر جسم کے پنجرے میں بند ہے، سنے اور اس کے حال پر رحم کر کے صبر و توکل کی رسی اس کے ہاتھ پاؤں سے بے محابا کھول دے تو بہر صورت آپ کو اس کا لقمہ بنائے، مگر خضر رہنما کی دست گیری سے بچے تو بچے۔

''اے بیسوا یہ ذکر اس واسطے میں نے کیا جو تو جانے کہ طاقتِ جسمانی، قوت روحانی پر زیادتی نہیں رکھتی۔ اب تجھے یہ لازم ہے کہ پورب پچھم کے شہزادوں کو جو تو نے اپنے مکر و فریب سے قید کیا ہے، چھوڑ دے۔ حق تعالیٰ تجھ کو بھی دوزخ کی قید سے نجات دے گا ''۔

لیکن اپنے بھائیوں کے واسطے بہت تاکید سے کہا کہ جب تک خدا مجھے پھر یہاں لائے ان کی حفاظت قرار واقعی کیجو۔

یہ کہ کے رخصت چاہی۔ تب اس نے با چشمِ خوں بار یہ چند اشعار پڑھے:

آتشِ سوزاں میں تو اے شوخ بے پروا نہ جا
نقد جانِ بے کساں کو لوٹ کر تنہا نہ جا

تشنہ لب اے ابرِ نیساں اس صدف کو چھوڑ کر
جانبِ ویرانہ ظالم اس قدر دوڑا نہ جا

حادثوں کی باد چلتی ہے جہاں میں بسکہ تُند
کلبۂ احزاں سے تو اے راحتِ دلہا نہ جا
تو نہیں واقف ھی حیلے سے زمانے کے ابھی
یوسفِ دوراں بہ زنداں ہے تو اب دوڑا نہ جا
جس میں تو جاتا ہے وہ ہے بحرِ نا پیدا کنار
مان میری بات کو ظالم یہیں رہ جا ، نہ جا
حشر میں پروانے کو دے گا بھلا تو کیا جواب
چھوڑ کر اس کو کہیں اے شمعِ نُور افزا نہ جا

اے عزیز ! تو نے معلوم کیا کہ یہ میں نے کیا کہا ؟ اس بات کا حاصل یہ ہے کہ دلِ عرش منزل تیرا جو رونق بخش تختِ بادشاھی کا اور دیکھنے والا مادی مجرّد کا تھا ، جب اس کی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی ، اس کی بصارت کو زنگ لگا اور دیدۂ روشن تاریک ہو گیا ۔ اب اٹھ اور سرمۂ بینائی ڈھونڈھ ، یعنی گل مراد کی تلاش میں کوشش کر ، لیکن راہ میں دنیائے عیّارہ کی بازی میں کہ تختہ فریب کا دھرا ھوا ہے ، مشغول نہ ھونا ۔ مبادا وہ فاحشہ پہلے تجھ کو فریفتہ کر کے بُتّا دے اور بعد اس کے مکر کی بلی اور فریب کے چوھے کی مدد سے اچھا پانسہ اپنے حسب مرضی پھینکے اور اچانک تیرے توکل کا سرمایہ آخر ھو جائے ۔ تب تجھ کو دائم الحبس رکھے ۔ اگر تو صبر کے نیولے کی اعانت سے اس مکارہ کی بازیِ طلسم کو درھم برھم کر دے تو وہ فاحشہ جو بادشاھوں اور گردن کشوں کی ھم نشین ہے تیری فرماں بردار لونڈی ھو کر چاہے کہ تجھ کو اپنے حسن و جمال پر لُبھائے ، پھر تو اس کے مُنہ پر الفت سے نگاہ نہ کرے تو یقین ہے کہ گل مراد کے دامن تک تیرا دسترس ھو ۔

# چوتھی داستان

## تاج الملوک کے پہنچنے کی بکاولی کی سرزمین میں دیو کی مدد سے

راویِ شیریں زبان یہ داستان یوں بیان کرتا ہے کہ تاج الملوک نے ٹھاٹھ قلندرانہ کیا اور چہرے پر راکھ مل ، پھر خدا کا نام لے کر چل نکلا ۔

بعد کئی روز کے ایک ایسی وادیٔ پر خار میں کہ جس کی انتہا نہ تھی ، تاریکی سے ہرگز دن رات میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا ، سپیدی اور سیاہی میں ذرّہ بھی امتیاز نہ کیا جاتا تھا ، وہاں جا وارد ہوا اور اپنے دل کو ڈھارس دے کر کہنے لگا کہ اے عزیز ! یہ پہلی ہی بحرِ مصیبت کی لہر ہے ۔ تجھ کو تو ابھی سارا دریا کا دریا تیرنا ہے ، ہمت کی کمر چست باندھ اور سمندر کے مانند آپ کو اس آتش کدے میں ڈال ۔ دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے ۔ شعر سعدیؒ :

غوّاص گر اندیشہ کند کام نہنگ ہرگز نہ کند دُرّ گراں مایہ بہ چنگ

غواص کرے جو خوف گھڑیالوں سے تو ایک بھی موتی نہ لگے ھاتھ اُسے

یہ سوچ کر آخرش اس صحرا میں چل نکلا ۔ جو قدم پڑتا تھا کانٹا گڑتا تھا ، ہر گام پر آہ و نالہ کرتا تھا ۔ غرض اس جنگل خونخوار میں جو جاہلوں کے دل سے تاریک تر تھا ، درندوں کا مسکنِ پر خطر تھا ، اگر ایک دم وہاں آفتاب آئے تو اپنا نور کھو جائے ، ہر طرف اژدھے بھوکے پیاسے مُنہ کھولے پڑے تھے ، گویا خالی گھروں کے دروازے ، چھالوں کے سوا نہ کہیں دانہ ، پھپھولوں کے سوا نہ کوئی آبشار ۔ مدت تک شہزادہ داھنے بائیں

چاروں طرف دوڑتا پھرا ، جھاڑیوں کی رگڑ سے بدن چھل گیا ، ہر ایک عضو سے لہو ٹپکنے لگا ، یہاں تک کہ پھول سے تلوے اس کے ببول کے کانٹوں سے چھد گئے ۔

کہتے ہیں کہ شہزادے نے ایسی مصیبت اور محنت اٹھا کر بارے اس جنگل کو طے کیا اور لاکھوں سجدے شکر الہٰی کے بجا لا کر آگے بڑھا ۔

سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آیا ۔ وہ سمجھا یہ پہاڑ ہے ۔ جب نزدیک پہنچا دفعۃً اس ظالم نے اپنے قد کو بلند کیا ، ہمسرِ فلک ہو گیا اور مارے خوشی کے بادل سا گرج کر بولا کہ تصدّق ہو جاؤں میں رزّاق کے اور قربان ہوں اس خالق کے کہ جس نے ایسا لقمۂ لطیف مجھ دیو کثیف کے واسطے گھر بیٹھے بھیجا ۔ یہ کہ کر شہزادے سے مخاطب ہو کر بولا کہ اس ایامِ جوانی میں کس نے تجھے عروسِ اجل کا مشتاق کیا اور حلاوتِ زندگانی کو تجھ پر شاق کیا ، جو تو شہرِ حیات کو چھوڑ کر پائے خواہش سے ویرانۂ موت میں آیا ؟

شہزادہ اس کی ہیبت سے تھرّایا ، چہرے کا رنگ پتنگ سا اڑ گیا ، مُنہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں ۔ کہا ”اے دیو تو میرا حال کیا پوچھتا ہے کہ زندگی اس دنیائے فانی کی مجھ پر وبال ہوئی ہے ۔ اگر مجھے اپنی جان عزیز ہوتی تو میں ہرگز آپ کو موت کے پنجے میں نہ ڈالتا اور تجھ سے خونخوار کے دام میں گرفتار نہ ہوتا ۔ مجھ کو اس زندگی کی صعوبت سے چھڑا اور بلا توقف میرا کام تمام کر کہ مجھ پر اس ساعت کی زیست سو برس کی مشقت کے برابر ہے ۔ بیت :

کٹے خوشی سے تو ہے زیست خضر[۴] کی تھوڑی
نہیں تو نیم نفس بھی بہت ہے جینے کو

دیو کو اس کی درد انگیز باتوں سے رحم آیا۔ حضرت سلیمان علیہ‌السلام کی قسم کھا کر یہ بات زبان پر لایا کہ اے آدم زاد میں تجھے ہرگز رنجیدہ خاطر نہ کروں گا اور سرِ مو تصدیع نہ دوں گا، بلکہ اپنی پناہ میں رکھ کر جس مطلب کے واسطے نکلا ہے اس میں کوشش اور مدد کروں گا۔

پس ہر روز دیو شہزادے پر شفقت زیادہ کرتا اور بار بار دلاسا دیا کرتا۔ تاج‌الملوک بھی میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس سے شیر و شکر کے مانند مل گیا اور چاپلوسی اور تملق سے اس کو محبت کے شیشے میں اُتارا۔

القصّہ ایک روز دیو نے مہربان ہو کر کہا کہ تیری غذا کیا ہے، میں لا دوں؟

تاج‌الملوک نے عرض کی "آدمیوں کی غذا شکر، گھی، مائدہ، گوشت وغیرہ یہی چیزیں ہیں"۔

یہ سنتے ہی دیو اُٹھ دوڑا اور ایسے قافلے پر پہنچا کہ جس کے لوگ شکر اور گھی اور مائدہ اونٹوں پر لادے ہوئے کہیں لیے جاتے تھے۔ وہ لدے لدائے اونٹ اُٹھا کر شہزادے کے آگے لے آیا۔ کہا "اپنی خورش لے اور اس میں سے کچھ کھا"۔

تاج‌الملوک نے اونٹوں پر سے وہ سب اُتار لیا اور انھیں جنگل میں چھوڑ دیا۔ پھر ہر روز کچی پکی روٹی پکا کر کھانے لگا۔

اسی طرح چند روز گزرے۔ ایک دن شہزادے نے کئی من میدا لے کر اُس میں گھی شکر ملا کر بڑی بڑی پتھر کی چٹانوں پر ڈال کے ہاتھ پاؤں سے خوب روندا اور گوندھا۔ پھر ادھر اُدھر سے سوکھی لکڑیاں جمع کر کے روغنی روٹ سینک سانک کر تیار کیے اور ایک اونٹ کے کباب بھی خوب نمکین بھونے۔ دیو نے دیکھ کر پوچھا کہ آج تو نے کیوں اتنی تکلیف اُٹھائی اور کس

واسطے فضولی پر کمر باندھی ہے؟"

تاج الملوک نے کہا "یہ سب تمھارے لیے ہے کہ تم بھی نوالہ اس میں سے کھا کر آدمیوں کے کھانے کی لذّت دریافت کرو"۔

دیو نے ایکبارگی سب کا سب اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ از بس کہ اس طرح کے کھانے کی اس نے کبھی لذّت نہ چکھی تھی۔ مارے خوشی سے اچھل اچھل کر کھاتا تھا اور شاباش کہہ کر تعریف کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اے آدمی زاد تو نے مجھے ایسی چیز کھلائی کہ میرے باپ دادا نے بھی کبھی نہ کھائی ہوگی۔ بلکہ آج تک کسی دیو نے ایسے کھانے کی لذّت نہ پائی ہوگی۔ اس روٹی کے ٹکڑے کا احسان میں ابد تک مانوں گا اور دل سے تیرا ممنون رہوں گا"۔

شہزادے نے جو اس کی رغبت دیکھی تو ہر روز نئی قسم کی روٹی اور کباب تیار کر کے کھلاتا۔ دیو نہایت محظوظ اور خوش ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک روز خود بخود کہنے لگا کہ اے آدم زاد تو ہر روز اس لقمۂ لذیذ سے مجھے خرسند رکھتا ہے، اگر میرے بدن پر ہر روئیں کی جگہ زبان پیدا ہو اور ہر زبان سے شکر تیرے احسان کا ادا کروں تو بھی نہ ہو سکے، لیکن اب تک تیرا کوئی کام میرے ہاتھ سے نہیں نکلا، اگر کچھ مطلب ہو تو بیان کر۔

تاج الملوک نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے دیووں کا مزاج اکثر جھوٹ کی طرف راغب ہوتا ہے اور اپنی بات پر قائم نہیں رہتے۔ اگر تم حضرت سلیمانؑ کی قسم کھاؤ تو میں اپنا راز تم سے ظاہر کروں۔

وہ بولا کہ میں اس بزرگ کی قسم سے ڈرتا ہوں۔ خدا جانے

تو کیا کہے ۔ اگر وہ مجھ سے نہ ہو سکے تو مرنا پڑے ۔

آخرش چار و ناچار قسم کھائی اور پوچھا "کہو کیا مطلب ھے ؟"

تاج الملوک نے کہا کہ ایک مدت سے مجھ کو ملک بکاولی کی سیر کا سودا ھے ، اس سر زمین میں پہنچا دے ، یہی میری آرزو ھے ۔

یہ بات سنتے ھی اس نے دم سرد سینے سے کھینچا اور دوھتھڑ اپنے سر پر مار کے بے ہوش ھو گیا ۔

بعد ایک ساعت کے ھوش میں حو آیا ، ھائے ھائے کرنے لگا اور ماتم زدوں کی سی صورت بنا کر بولا "اے آدم زاد! حق تعالیٰ نے تیری اجل کا سر رشتہ میرے ھاتھ میں نہ دیا بلکہ میری حیات کی باگ تیرے ھاتھ میں دے دی ۔ سن ! بکاولی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ھے ۔ اٹھارہ ھزار دیو بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کے باپ کے غلام ھیں ۔ وہ ھر طرف اس ملک کی پاسبانی کرتے ھیں ۔ میں تو ایک طرف ، وھاں کے خاص چوکیدار جو اس ملک سے نزدیک ھیں ، انھوں نے بھی اس شہر کی چار دیواری کو نہ دیکھا ھوگا ۔ کسی ذی حیات کی کیا طاقت ، بلکہ صرصر بھی ان دیووں کی اجازت کے بغیر جو برس روز کی راہ تک نگہبان ھیں ، ممکن نہیں کہ پہنچ سکے ۔ اور پریاں بے شمار دن رات نگہبانی میں مشغول ھیں کہ کوئی پرندہ اس سرحد میں پر نہ مارے ۔ اور زمین کے نیچے چوھوں کا بادشاہ بے انتہا فوج سے ، اور سانپ بچھوؤں کا لشکر زمیں پر محافظت کے واسطے مقرر ھے تا کوئی سرنگ لگا کر بھی نہ پہنچے ۔ بھلا پھر میں تجھے وھاں کیوں کر پہنچاؤں اور جو نہ پہنچاؤں تو یقین ھے کہ بسبب اس قسم کے جان سے جاؤں ۔ اب تو ایک کام کر کہ آج پھر اسی طرح سے کھانا پکا ۔ دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ھو اور میری کوشش کے ھاتھوں

کیا بن پڑے۔

تاج‌الملوک نے وہی کیا۔ جب کھانا دیو نے تیار دیکھا، چنگھاڑا، فوراً شمال کی طرف سے ایک اور دیو پہاڑ سا پہنچا اور دونوں دست بوسی کر کے بیٹھ گئے۔ پھر تاج‌الملوک پر دوسرے دیو کی نظر پڑی۔ شہزادے نے فی‌الحال جھک کر سلام کیا۔ اس کے سلام کرنے سے دیو نے حیران ہو کر صاحب خانہ سے پوچھا کہ اے بھائی یہ مقام تعجب کا ھے، اب تک کسی نے نہ دیکھا نہ سنا ہوگا کہ دیو اور آدمی سے موافقت ہو اور دونوں ایک جگہ ہم‌نشین رہیں، اس کے یہاں رہنے کا کیا باعث ھے؟

دیو نے کہا ”بھائی اس آدم‌زاد نے مجھ کو نہایت ممنون کیا ھے، مجھے کسی طرح اس سے بدی کرنی منظور نہیں اور تجھ کو اسی واسطے بلایا ھے کہ تو بھی اس کے ہنر سے واقف ہو“۔

یہ کہ کے صاحبِ خانہ نے سر انجام مہمانی کا لا مہمان کے آگے رکھا۔ وہ دیو اس لقمۂ شیریں کو مُنہ میں ڈالتے ھی نہایت متلذذ ہو کر خوشی کے مارے ناچنے لگا۔ آخر کھا پی کر مہمان نے کہا ”کہو بھائی تم سے بھی آج تک اس آدمی کا کچھ کام ہوا یا نہیں؟“

گھر کے مالک نے جواب دیا کہ یہ شخص ایسے کام کے واسطے تکلیف دیتا ھے کہ میری حد امکان سے باھر اور سعی و تردد کے احاطے سے خارج ھے، اگر تو مہربانی کرے تو شاید کامیاب ہو۔

پھر اُس نے پوچھا ”یار ایسی کون سی بات ھے جو تم اُس میں عاجز ہو؟“

میزبان نے کہا کہ اس کو سیرِ ملکِ بکاولی کی خواهش ھے۔

مہمان بولا، ع:

جو جان بوجھ کے پوچھے تو پھر خطا ھے سوال

صاحبِ خانہ نے کہا ''میں نے حضرت سلیمانؑ کی قسم کھائی ھے ، اگر تو توجہ کر سکے ، اس کو شاھدِ مراد سے ملائے تو فی‌الحقیقت میری جان بخشی کرے''۔

القصّہ اس دیو کی ایک بہن تھی حمالہ نام ، اٹھارہ ہزار دیو جو بکاولی کے ملک کے چوکیدار تھے ، اُن کی وہ سردار تھی ۔ اُس کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ اے خواھر عزیز مجھ کو ان دنوں میں ایک سفر ایسا در پیش ھوا ھے کہ بغیر اس کے کسی صورت سے مجھے رھائی نہیں اور ایک مدت سے میں نے ایک آدم‌زاد کو بجائے فرزند کے پرورش کیا ھے ، اب میرے جانے کے بعد گھر خالی رھے گا ۔ بہر صورت جائے خوف و خطر ھے ، اس واسطے اس نور دیدہ کو تمھاری خدمت میں روانہ کیا چاھتا ھوں کہ اس کے حال پر شفقت کی نظر رکھیو ، کسی طرح یہ تصدیع نہ اٹھائے ۔ والسلام ۔ اور قاصد کے ھاتھ میں دے دیا ۔ پھر تاج‌الملوک کی طرف مُنہ پھیر کر اشارہ کیا کہ اس کے ساتھ جا ۔ میں نے تو کمندِ سعی و تردّد اپنے بازو کے زور سے میدان مطلب میں پھینکی ، اگر تیرا چوگانِ بخت مدد کرے تو شاید تو اپنے مطلب کو پہنچے ۔

یہ کہ کر قاصد کے بائیں ھاتھ پر بٹھا دیا ۔ اُس نے داھنے ھاتھ کا سایہ کیا اور رستہ پکڑا ۔

بخیریت تمام منزلِ مقصود پر جا پہنچا اور دور سے حمالہ کو سلام کر کے شہزادے کو نامے سمیت حوالے کیا ۔ وہ دیکھ کر نہایت خوشی سے باغ باغ ھو کر غنچے کے مانند کھل گئی :

سماتی تھی نہ اپنے پیرھن میں　　خوشی سے روح پھولی تھی بدن میں

الغرض قاصد کی طرف متوجہ ھو کر کہنے لگی ''اگر بھائی مجھ کو سُرخ گندھک کی کان بھیجتا یا انگوٹھی حضرت سلیمانؑ کی تو میں اتنا خوش نہ ھوتی جیسا کہ اس کے آنے سے ھوئی ۔

اس کے بعد خط کا لفافہ کھول کر اس کا احوال دریافت کر کے جواب لکھا "اے برادر ! مجھ کو ایک دن ایک بستی کی سیر کا اتفاق ہوا تھا ، وہاں ایک بادشاہ کی بیٹی نہایت خوبصورت لاثانی میرے ھاتھ لگی ، اس کو بیٹی کی طرح میں نے پرورش کیا ، محمودہ نام رکھا ، اب وہ چودہ برس کی چودھویں رات کے چاند سی ہوئی ، کارساز نے اس کا جوڑا اس تقریب سے بھیجا ، الحمدللہ کہ یہ بات خاطر خواہ بن پڑی ، زیادہ شوق ملاقات، والسلام"۔ اور خط دے کے نامہ بر کو رخصت کیا اور محمودہ کو تاج‌الملوک کے ساتھ بیاہ دیا ۔

اے عزیز ! روشنی چشم ظاھر بین کی سات پردوں میں ھے ارر تجلّی باری تعالیٰ کی کہ نورِ دیدۂ اولیا ھے ، ستر ھزار پردے میں ھے ۔ اگر یہ ارادہ ھو کہ وہ پردے درمیان سے اٹھیں تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اٹھا کر اس کو بس میں کر کہ وہ لعین اپنی کج روی چھوڑ کر محمودہ کے (اھل باطن کے اشغال سے ایک شغل محمودہ بھی ھے کہ بھووں کی طرف دیکھتے ھیں اور وھاں کچھ تصور کرتے ھیں ، یہاں تک کہ نورِ دیدہ الٹ جاتا ھے اور نورِ الٰہی اور اسرارِ معرفت نظر پڑتے ھیں) مقام میں پہنچائے ، لیکن یہ بات یاد رکھ ، اگر دیو سے الٹا کیجے تو سیدھا پڑے ۔

# پانچویں داستان

## تاج‌الملوک کے پہنچنے کی بکاولی کے باغ میں اور لینا گلِ مقصود کا اور عاشق ھونا بکاولی پر

القصّہ تاج‌الملوک چند مدت محمودہ کی صحبت میں رھا ،

لیکن کبھی اس غنچہ دھن کا دل اس کی باتوں سے نہ کھلا اور کبھی اس گل کے پاس شگفتہ ھو کر نہ بیٹھا ۔

ایک رات کو محمودہ نے شہزادے سے کہا کہ اے مایۂ نشاط ! شاید آدمیوں کی یہی وضع ھے کہ رات کو اپنی ھم خوابہ کے گلے لگ کر نہ سوئیں ، الگ پڑے رھیں ، بوس و کنار نہ کریں اور صبح کو جیسے کے تیسے اٹھ کھڑے ھوں ۔

تاج الملوک بولا کہ عیش و عشرت انسان میں اس سے بھی کچھ زیادہ ھے ، مگر کسی کھٹی میٹھی کو بھی میرا جی نہیں چاھتا ، بلکہ جانِ شیریں بھی تلخ ھے ، کیوں کہ اب ایک بڑی مہم درپیش ھے اور میں نے عہد کیا ھے کہ جب تک وہ سر نہ ھو دنیا کی تمام لذتوں کو حرام سمجھوں ، کسی سے اختلاط نہ کروں ۔

محمودہ بولی ”وہ کیا ھے بیان کر ؟ “

کہا کہ میں ملک بکاولی کے دیکھنے کی خواھش رکھتا ھوں ۔

محمودہ نے جواب دیا ”خاطر جمع رکھو ، انشاءاللہ تعالیٰ کل رشتۂ امید کی گرہ ناخن تدبیر سے کھولوں گی اور وہ ملک تجھے دکھاؤں گی“۔

خیر وہ رات تو گزری ۔ جب مہتاب چھپا اور آفتاب نکلا حمالہ دونوں کو خواب گاہ سے باھر لائی اور اپنے داھنے بائیں زانوؤں پر بٹھا کر شفقت اور الطاف مادرانہ کرنے لگی ۔ محمودہ بھی سر و قد اٹھ کر آداب بجا لائی اور عرض کی ”اے اماں جان! میں کچھ گزارش کیا چاھتی ھوں ۔ اگر قبول ھو تو کروں “۔

حمالہ نے سر اور آنکھیں چوم کر کہا کہ بے تکلف کہو ۔

محمودہ بولی کہ یہ ملک بکاولی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس طرح تم سے ہو سکے ان کو وہاں پہنچاؤ۔

حمالہ نے چند درچند حیلے اور عذر کیے، آخرش دیکھا لڑکی کسی طرح اس کا خیال نہیں چھوڑتی، ناچار قبول کیا اور چوہوں کے بادشاہ کو بلا کر فرمایا کہ اسی وقت یہاں سے بکاولی کے باغ تک سرنگ کھود کر اس شہزادے کو کہ میری حیات کا سرمایہ ہے، اپنی گردن پر سوار کر کے اس باغ میں پہنچا، مگر خبردار سرِ مو اسے آسیب نہ پہنچے، ہرگز اپنی گردن سے نیچے نہ اترنے دیجیو۔

اس نے بہ موجب حکم کے ویسا ہی کیا۔

باغ میں پہنچ کر شہزادے نے آہستہ آہستہ چاہا کہ اتر کر اس میں جائے، چوہے نے نہ چھوڑا اور ارادہ پھرنے کا کیا۔ تاج الملوک بولا کہ اگر تو مجھے اس باغ کی سیر کو جانے دے تو بہتر، نہیں تو میں آپنے تئیں ابھی ہلاک کرتا ہوں۔

چوہا ڈرا کہ اگر یہ اپنی جان پر کھیل جائے گا تو میں بھی حمالہ کے ہاتھ سے نہ بچوں گا، ناچار جانے دیا۔

تاج الملوک جا کر دیکھتا کیا ہے کہ سونے کی زمین پر زرِ خالص کی چار دیواری میں لعلِ بدخشانی اور عقیقِ یمنی نیچے سے اوپر تک جڑے ہیں۔ زمرد کے چمنوں کے آس پاس فیروزے کی نہریں گلاب سے معمور، جن کو دیکھ کر خدائی نظر آئے جاری ہیں۔ سبحان اللہ کیا سہانا باغ ہے کہ دیکھنے والوں کے منہ پر جس کے چمنوں کی سیر سے شفق پھولی ہوئی نظر آئے اور پھولوں کے رنگ کی سرخی سے گلِ سرخ آفتاب کا شرمندگی کے مارے پسینے میں ڈوب جائے۔ وہاں کے انگور کا خوشۂ سبز زمردیں عقدِ پروین کا رشک بڑھاتا ہے اور سنبل کا عالم ہر ایک زہرہ جبین کے گھونگر والے بالوں کو پیچ و تاب میں لاتا ہے۔ اگر اس کے گلزار

کی شبنم کا ایک قطرہ سمندر میں پہنچے تو مچھلیوں میں گلاب کی بو آنے لگے ، جو وہاں کے پرندوں کی صدا آسمان کے کان میں پڑے تو پھرنے سے باز رہے اور اگر زہرہ سنے تو فی الفور وجد میں آ کر ناچتے ہوئے ماہتاب کے دف سمیت زمین پر گر پڑے ۔ معشوقوں کی فندقوں سے عناب رنگیں تر اور سرو اکڑنے میں قامتِ خوباں سے کہیں بہتر ۔ اُس کے ایوان کی شمع کا اگر مرغِ زریں فلک پروانہ ہو تو بجا ہے اور مہتاب اُس کی صفائی پر دیوانہ ہو تو روا ہے ۔ طرفہ تر یہ کہ لعل کے درختوں میں موتیوں کے گچھے ایسے درخشاں ہیں جیسے خورشید کے شجر میں ستاروں کے خوشے آویزاں ۔ گلاب کے جڑاؤ حوضوں پر زمرد کی ڈالیاں ہوا سے جھک جھک گریں اور بطخیں گوہر شب چراغ کی آن میں تیرتی پھریں ۔

شہزادہ یہ رنگ ڈھنگ دیکھتا بھالتا قدم بڑھائے چلا جاتا کہ ایک دالان صرف یاقوت کا اور سامنے اُس کے ایک دالان زبرجد کا ، دونوں کے درمیان ایک حوض مُرصّع ، پاکیزہ ، گلاب سے بھرا ہوا ، اُس کے اطراف کے نار دانوں میں جواہر خوش آب کے کٹے دیے ہوئے اور اُس میں ایک پھول نہایت لطیف و نازک خوشبودار کھلا ہوا نظر آیا ۔ تاج الملوک نے اپنے ذہن کی رسائی سے دریافت کیا کہ ہو نہ ہو گلِ بکاولی یہی ہے ۔ فوراً کپڑے اُتار کے حوض میں کودا اور گلِ مقصود کو لے کر کنارے پر آیا ، پوشاک پہنی اور اُس کو کمر میں باندھ لیا ۔ پھر محل کی سیر کو متوجہ ہوا ۔

آگے بڑھتے ہی ایک قصر عقیق یمانی کا نظر آیا ، دروازے اُس کے ہم پہلوئے آسمان نئے طور کے تھے ، اُس کے ہر مکان کی چمک کے آگے دھوپ پھیکی اور چاندنی دھندلی ۔ یہ پروانے کی مانند شوق کے بال و پر کھولے ہوئے اس کے اندر بے دھڑک

چلا آیا ۔ ھر ایک دالان نہایت خوش اسلوب ، عقیق اُس کا بہت خوب ، اُس کی ساخت کے نئے آئیں اور خوش قطع شہ نشین نظر پڑے ۔ پردے اُس کے کار چوبی ، جا بجا سلمے کی بیل ستاروں کے بوٹے پر سب کے سب چھوٹے ہوئے تھے ۔ شہزادہ اُس میں بھی در آیا مگر ھکّا بکّا سا کھڑا رہ گیا کہ جڑاؤ پلنگ پر ایک نازنین پڑی دبلی پتلی مست خواب بےحجاب نظر آئی ۔ بال بکھرے ہوئے، کاجل پھیلا ہوا [۱] کرتی اُوپر کو سرکی ہوئی ، کنگھی بکھری ہوئی ، لٹیں چھوٹی ہوئی ، نیفہ ڈھلکا ہوا ، گچھا ازار بند کا لٹکا ہوا ، ناز سے ھاتھ ماتھے پر رکھے ہوئے جوانی کی نیند میں بے خبر سوتی ھے ۔ اُس کے رنگ روپ کی جوت سے زمیں و آسماں نورانی اور اس کی چشم مست سے نرگس کو همیشه حیرانی ۔ لبِ نازک کے رشک سے لاله خون میں غلطاں ھے ، ابرو کی چاہ سے ھلال زار و ناتواں ھے ۔ معلم بہار اُس کے غنچۂ دھن سے کوئی حرف نہ سنے تو اطفالِ شگوفه کو پھولنے کا سبق نہ دے سکے ۔ اگر زنگیِ شب اُس کی زلفِ مشکیں کے سائے میں نہ آئے تو آفتاب کی تیغِ شعاع سے مارا جائے :

سرو قد ، گلِ عذار ، عنبر بُو     شکرین لب ، عزیز دل ، مہ رُو
کہیں پردے سے گروہ باھر آئے     چاند و سورج کی جوت یک سر جائے
سلک دنداں سے گر خبر پاتا     تو ثُریّا کو پردہ ھی بھاتا
وصف کرتا ھے کیا تو اُس گل کا     اس کی بلبل کو اس چمن میں لا

تاج الملوک دیکھتے ھی بے خود ہو کر گر پڑا ۔ ایک ساعت کے بعد جو آپ میں آیا تو اپنے تئیں سنبھال کر جوں توں اس کے سرھانے تک پہنچایا اور ایک دمِ سرد دلِ پُردرد سے بھر کر یہ اشعار پڑھے :

جب اُٹھا کر نقاب ہو تو عیاں     کھینچے شرمندگی مہِ تاباں

---

۱- یہاں سے ایک فقرہ بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ۔

تیرے گیسوئے مشک فام میں یار　لیلة القدر رہتی ہے پنہاں
مست ہے حسن کی شراب میں تو　تجھ کو پرواہ کس کی ہے جاناں
ہم پہ کیا کیا گزر گیا لیکن　نہ ہوئی کچھ خبر تجھے اے جاں

القصّہ شہزادے نے اپنے دل میں ٹھانا کہ یہاں اپنے آنے کی کچھ نشانی چھوڑ جانا چاہیے۔ اُس پری کی انگوٹھی بہ آہستگی و نرمی اُتار لی اور اپنی پہنا دی اور پھر آنکھیں بھر کر یہ اشعار پڑھتا ہوا وہاں سے چلا:

لالہ ساں اس باغ سے ہم داغ ہجراں لے چلے
خاک سر پر، داغ دل پر، سینہ بریاں لے چلے
باغِ دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا کم نصیب
آئے ایسے باغ میں اور خالی داماں لے چلے

آخر حالتِ خواب میں اُس سے وداع ہوا اور سرنگ کی راہ سے چوہے پر سوار ہو کر اپنے مکان پر آ پہنچا۔

اے عزیز اب وہ کام کر جس کام سے تجھے دوسرا کام سوجھے جیسا کہ بھوکا روٹی کی خاطر نان بائی کی دکان پر جاوے اور اچانک اس کے جمال پر فریفتہ ہووے۔ آخر روٹی کی بات سے گزر کر جان تک نوبت پہنچی اور نان بائی کی بھی گردن میں اس کے عشق کی کمند پڑی۔ آخر کار بھوکا دونوں کا مالک ہوا مثل اس شہزادے کی اس کے مانند ہے کہ بلبل وار پھول کی تلاش کو نکلا اور صاحبِ گل کے گلشنِ جمال باکمال کو دیکھتے ہی باغ باغ ہوا، خواہش کا ہاتھ بھی اس کے دامن تک پہنچایا پھر بہت سی محنت اور مشقّت اٹھانے کے بعد رفتہ رفتہ خرمنِ گل سے اپنی گود بھری اور اپنے گھر آیا۔

حمالہ انتظار میں رونی صورت بنائے خونِ جگر آنکھوں میں بھرے بیٹھی تھی، اس کے پہنچتے ہی اس کا غنچۂ خاطر کھل گیا۔

وہ دن تو بہت ہنسی خوشی سے کٹا۔ اتنے میں عروسِ روز نے شفق کے لال گھونگھٹ میں اپنا مُنہ چھپایا اور محبوبۂ شام نے طُرّۂ مُشک فام دکھایا۔ تاج الملوک اپنی امنگ سے رنگ محل میں گیا اور اُس رات محمودہ سے ہم کلام اور ہم کنار ہوا، بلکہ اسی طرح چند روز عیش و عشرت میں کاٹے۔

# چھٹی داستان

## تاج الملوک اور محمودہ کے رخصت ہونے میں حمالہ سے اور دلبر کے پاس پہنچنا

کہتے ہیں کہ ایک رات تاج الملوک محمودہ سے خلوت میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ اے مایۂ عیش و شادمانی! اگرچہ اس جگہ سب طرح کی خوشی ہے اور کسی صورت کا رنج نہیں، ہر وقت جو اسباب نشاط چاہیے وہ موجود ہے، لیکن کب تک ہم وطن اور ہم جنسوں سے دُور رہیں اور کہاں تک دوستوں کی جدائی کا غم سہیں؟ کچھ ایسی تدبیر کیا چاہیے کہ اس مجلسِ ناجنس سے رہائی پائیے اور دشمنوں کے پنجے سے چھوٹ جائیے:

ہے عزیزوں ہی کی صحبت سے تو جینے کی بہار
ورنہ کیا فائدہ ہے خضر سا تنہا رہنا

محمودہ نے کہا "خاطر جمع رکھ، کل رخصت لوں گی"۔

جب عطّارِ گردوں نے مشکِ تاتار شب سے شیشۂ ماہ بھر کر طاقِ مغرب میں دھرا اور خوان زرین آفتاب کا دکانِ مشرق پر رکھ کا فورِ صبح سے بھرا، حمالہ نے دو بھاری بھاری خلعت اور کئی خوان میوے کے تیار کر کے دونوں کو خواب گاہ سے

باہر نکالا ، پھر خلعت پہنا کر اور میوہ کھلا کر داھنے بائیں زانو پر بٹھا لیا اور سر منہ چومنے لگی ۔ اس اشفاق پر بھی دونوں کا غنچۂ خاطر نہ کھلا ، تب بولی ”اے دختر با تمیز اور اے دامادِ عزیز! جو تمنا تمھارے دل میں ہو سو کہو ، اگر آسمان کے تارے بھی مانگو گے اُتار لاؤں گی“۔

محمودہ نے اُٹھ کر عرض کی ”تمھاری توجہات اور عنایات سے کوئی آرزو ہمارے دل میں باقی نہیں رہی ۔ اگرچہ تمھاری آتشِ جدائی بھی چمنِ عشرت کو جلائے گی اور تمھاری مجلس سے رخصت گویا جان کی رخصت ہے، لیکن ہر ساعت ہم جنسوں کا شعلۂ فراق میرے سینے میں بھڑکتا ہے۔ اس نے دل و جگر کو جلا کر خاک کر دیا ہے ۔ اگر حکم ہو تو چند روز کے واسطے ہم جنسوں کی صحبت میں جاؤں اور ان کے آب وصال سے اس آگ کو بجھاؤں ۔ ع :

کہیں رہوں میں پرستار ہوں مگر تیری

حمالہ نے اس بات کے سنتے ہی ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ میں نے اس واسطے تجھے پرورش کیا تھا کہ اپنی آنکھوں کو صبح شام بلکہ مدام تیرے سرمۂ دیدار سے روشن رکھوں ، پر تو کیا کرے، حق بجانب تیرے ہے ۔ میں خوب جانتی ہوں کہ یہ فتنہ سویا ہوا شہزادے نے جگایا ۔ اگر آگے سے میں ایسا جانتی تو ہرگز تیرا اس کے ساتھ بیاہ نہ کرتی ۔ ع :

یہ ہے گناہ مرا کچھ نہیں خطا تیری :

قصہ مختصر حمالہ نے دیکھا کہ ہرگز ان کا دل یہاں نہیں لگتا ۔ ایک دیو کو بلا کر کہا کہ جہاں کہیں شہزادے کی مرضی ہو بہ احتیاط تمام وہاں پہنچا دے اور ان کی رسید مجھے لا دے تو تیری خلاصی ہوگی ۔

اس کے بعد حمالہ نے دو بال اپنے سر سے اکھیڑ کر ایک

تاج‌الملوک اور دوسرا محمودہ کو دیا اور کہا ”جس وقت تجھ کو کوئی مہم در پیش ہو تو یہ بال آگ پر رکھنا اور مجھ کو اٹھارہ ہزار دیو سمیت بات کی بات میں وہیں پہنچا جاننا ۔

پھر تاج‌الملوک کے ہاتھ میں محمودہ کا ہاتھ دے کر یہ شعر پڑھا :

سپردم بتو مایۂ خویش را      تو دانی‌حسابِ کم و بیش را

جو کچھ کہ پونجی تھی سو تجھ کو سونپ دی اے جان
کم و زیادہ کے لکھے کو خیر اب تو جان

کہنے والے نے یوں کہا ہے کہ اسی وقت وہ دیو پہاڑ کی مانند بجلی سا تیز دوڑا آیا اور پوچھنے لگا ”جہاں فرماؤ وہاں پہنچاؤں ؟“

شہزادہ بولا ”شہرِ فردوس میں دلبر لکھا بیسوا کے باغ میں “۔

یہ سنتے ہی ان دونوں کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر ایک پل میں وہاں جا کر اتار دیا ۔

رسید مانگی ، تاج‌الملوک نے کہا ”ذرا تامل کر میں لکھے دیتا ہوں “۔

جوں آواز شہزادے کی بیسوا کے کان میں پڑی ، سنتے ہی دوڑی آئی اور آن کر قدموں پر گر پڑی ، پھر سجدۂ شکر الٰہی بجا لا کر بولی ۔ شعر :

نہ سجدے میں تنہا ہو سر دسبدم      کہ ہو بلکہ ہر بال سجدے میں خم

غرض شہزادے نے اپنے پہنچنے کا حال لکھ کر دیو کو دیا اور اسے رخصت کیا ۔

اس کے بعد بیاباں کی صعوبت ، دیو ستم پیشہ کی شفقت ، حالہ کی

مروت ، محمودہ کے نکاح کی کیفیت ، گل بکاولی کے ہاتھ آنے کی حقیقت مفصّل اس سے بیان کی ۔ پھر وہ آٹھ کر محمودہ سے ملی اور بہت سی اس کی دل داری اور مہمان داری کی ۔

شہزادے نے وہاں چند روز توقف کیا ۔ پھر اپنے ملک کے جانے پر مستعد ہوا ، اس واسطے کہ گل کے پہنچنے سے اس بلبلِ منتظر کی آنکھیں روشن ہوں ۔ فرمایا کہ اسباب سفر تیار کریں اور کشتیوں پر بار کریں ۔

اہل کار وہی عمل میں لائے ۔ اتنے میں بندی خانہ کے داروغے نے آکر عرض کی کہ پورب کے شہزادوں کے حق میں کیا حکم ہوتا ہے ؟

تاج الملوک صاحبِ خانہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا ”ہر چند کہ میں بھائیوں کی سفارش کروں لیکن قبول نہ کیجیو جب تک وہ تیری مہر کا داغ اپنے اپنے چوتڑ پر نہ کھائیں ۔

جوں ہی زنداں بان ان کو لایا ، تاج الملوک نے بہت سی شفاعت کی کہ اگر شہزادے پورب پچھم کے تو نے چھوڑ دیے تو ان بے چاروں کو بھی گرفتاری سے نجات دے کہ خلق میں تیری نیک نامی اور خالق کے آگے سرخروئی ہو ۔

وہ بولی ” آپ اس میں دخل نہ کیجیے ۔ میں ان کو ہرگز نہ چھوڑوں گی ، مگر ایک صورت سے کہ یہ اپنے چوتڑوں پر میری مہر کا داغ کھائیں “۔

شہزادوں نے اس کے سوا اور کچھ اپنی رہائی کی صورت نہ دیکھی ، ناچار قبول کیا ۔

چوتڑ دغوا کے وہاں سے چھوٹے اور جان سلامت لے گئے ۔

تاج الملوک نے چلتے وقت ایک ایک خلعت اور لاکھ روپے خرچ راہ کے واسطے دلوا دیے ۔

انھوں نے اور کسی شہر میں جا کر کچھ جمعیّت بہم پہنچائی ، پھر وطن کی راہ لی ۔

تاج الملوک نے بھی دلبر اور محمودہ کو مع اسباب اپنے ملک کی طرف نزدیک کی راہ سے رخصت فرمایا اور ارشاد کیا کہ فلانے شہر میں پہنچ کر مقام کرنا ، میں بھی عنقریب خشکی کی راہ سے پہنچتا ہوں ۔

# ساتویں داستان

## راہ میں تاج الملوک کے ملنے کی بھائیوں سے اور چھین لینا گلِ بکاولی کا

کہتے ہیں کہ تاج الملوک فقیروں کے بھیس میں پیچھے پیچھے بھائیوں کے چلا آتا تھا کہ ان کا ارادہ کما حقّہ دریافت کرے ۔

الغرض وہ جہاں اُترے ہوئے تھے ، آن پہنچا اور ایک کونے میں بیٹھ کر اُن کی لن ترانیاں اور جولانیاں جھوٹی جھوٹی سننے لگا ۔ آخر نہ رہ سکا ، سامنے آ کر دُو بدو کہنے لگا ”یہ بیہودہ باتیں آپس میں کیا کر رہے ہو ؟ اپنا مُنہ دیکھو، گلِ بکاولی میرے پاس ہے“ اور اسی وقت اس کو کمر سے کھول کر ان دغا بازوں کے آگے رکھ دیا ۔

شہزادے طیش کھا کر بولے ”بھلا اس کو آزمائیں ، اگر تیری بات سچی نہ ہو تو ہم جو چاہیں تجھ کو سزا دیں “۔

تاج الملوک نے کہا کہ سانچ کو آنچ کیا ، بہت بہتر ۔ پھر ایک اندھے کو بلا کر پھول اُس کی آنکھوں میں ملا ، فوراً وہ بینا ہو گیا ۔

وہ اس تماشے کو دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ آخر نادم ہو کر پھول زبردستی چھین لیا اور مارے طمانچوں کے اس کا مُنہ لال کیا ۔ پھر گردن میں ہاتھ دے کر وہاں سے نکال دیا اور خُرم و شاداں وطن کی راہ لی ۔

چند روز کے بعد اپنے ملک کی سرحد میں پہنچے اور ایک پیک کو آگے بھیجا کہ ہمارے آنے کی خبر حضور میں جلد پہنچا ۔ وہ ان کا حکم فی‌الفور بجا لایا ۔

جب زین‌الملوک نے یہ خبر فرحت اثر سنی ، باغ باغ ہو کر یہ قطعہ پڑھا ۔ قطعہ :

بتا دلا مجھے آیا یہ قاصد جاناں
کہ دَرد کھونے کو پہنچا ہے صاحب درماں
ہر ایک غنچۂ خاطر کھلا ہے کنعاں میں
صبا لے آئی مگر بوئے یوسفِ کنعاں

حاصل کلام بادشاہ خود کئی منزل استقبال کے واسطے تشریف لے گئے ۔

جب دو چار ہوئے ، شہزادوں نے قدم بوسی کی اور بادشاہ نے ان کا ماتھا چوما ، ایک ایک کو چھاتی سے لگایا ، الطاف فرمایا ۔ پھر شہزادوں نے گل بکاولی نذر کیا ۔

حضرت نے جوں ہی آنکھوں پر ملا وہیں تارا سی روشن ہو گئیں ، تب کہا ۔ ”الحمدللہ دیدۂ ظاہری کو اس پھول نے نورانی کیا اور دیدۂ باطن بیٹوں کے دیدار سے منّور ہوا ۔

اس کے بعد بادشاہ نے جشنِ شاہانہ شروع کیا اور شہر میں منادی پھرا دی کہ ہر ایک فقیر امیر عیش و عشرت کا دروازہ برس دن تک کھلا رکھے اور غم و الم کا بند ۔

# آٹھویں داستان

## بکاولی کے جاگنے کی اور گلاب کے حوض میں گل کو نہ دیکھنے کی اور اس کے چور کی تلاش میں نکلنے کی

خم خانۂ سخن کا ساقی اس پرانی شراب کو نئے پیالے میں یوں بھرتا ہے کہ جب بکاولی نے جادو بھری انکھڑیاں کھولیں، اور خوابِ راحت سے چونکی۔ انگیاں چڑھا، کرتی درست کر، پیشواز ناز سے پہنی، کنگھی سے بالوں کو سنوارا، دوپٹا اوڑھا، آہستہ آہستہ جھومتی، اٹکھیلیاں کرتی بکاولی حوض کی طرف چلی۔

ہر ہر قدم پر وہ گل اندام اپنے نقشِ قدم سے زمین کو پائین باغ بناتی تھی اور گردِ راہ کو چشمِ بلبل کے لیے سرمہ۔ حوض کے کنارے پر پہنچی اور دستِ نگاریں سے گلاب اپنے رخسار پر ڈالنے لگی اور چہرے کا غبار کہ عنبر کے مانند تھا دھو دھو کر گلاب میں ملانے اور حوض کو چاروں طرف چشمِ مستِ ناز سے دیکھنے بھالنے لگی۔

ناگاہ گل بکاولی کی جگہ پر نظر، جس جگہ وہ گل تھا، جا پڑی۔ ہر چند بغور و تامل نگاہ کی کچھ اس کا نشان نظر نہ آیا۔ تب تو وہ سونے کی طرح غم کی کٹھالی میں گلنے اور غنچے کی مانند سمومِ غم سے کملانے لگی۔

اتنے میں انگوٹھی پر نظر جا پڑی، حیرانی زیادہ بڑھی، گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگی اور یوں زبانِ گوہر فشاں سے کہنے لگی۔ ”یا الٰہی ! یہ خواب دیکھتی ہوں یا

عالمِ طلسم!'' پھر بولی ''اگر خواب ہوتا تو یہ علامتیں ظاہر نہ ہوتیں - پس اس صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام کسی انسان کا ہے، نہیں تو دوسرے کی کیا طاقت کہ اٹھارہ ہزار دیو کے ہاتھ سے بچ کر یہاں سلامت پہنچے اور گلِ مقصود کو بے کھٹکے لے جائے۔ پھر جس وقت اپنی برہنگی کی حالت اُس کو یاد آتی دریائے شرم میں ڈوب جاتی اور یہ اشعار اپنے حسب حال پڑھنے لگی :

اے چور تو اپنا نام بتلا چوری کا سبب تمام بتلا
جگ میں نہیں اور کوئی ایسا ہو وے نہ بشر سے کام تیرا
ہے دزد کو مال ہی سے مطلب تکتا ہے وہ سیم و زر کو جب تک
میں دیکھوں جو تیرا دستِ گلگوں آنکھوں سے لگالوں بلکہ چوموں
یہاں جن و پری جدھر تدھر تھی پر اور کہیں تیری نظر تھی
سینے میں سُرنگ تو لگا کر دل مفت میں لے گیا چرا کر
گو دیر نہیں پر آنکھیں تیری ایک دم تو پڑیں لبوں پہ مری
گو سیر تو ہونے بھی نہ پایا پر شہد کا مزا تمام چکھا
جو نقد تھا سو تو لے گیا واں صندوق فقط پڑا رہا یاں

الغرض افسوس کرتی ہوئی حوض کے کنارے سے اُٹھ کر یاقوت کے مکان میں جا بیٹھی اور پریوں کو بلا کر اُس بے خبری کی سزا ہر ایک کو دینے لگی - مگر یہ نہ سمجھی کہ جس وقت تیرِ تقدیر چُھوٹے سپرِ تدبیر سے کوئی نہ روک سکے - ع :

تقدیر کے آگے کچھ تدبیر نہیں چلتی

پھر پریوں سے جُھنجھلا کر کہنے لگی ''اگر تم اپنی زندگی چاہتی ہو تو میرے چور کو بجنسہ لا کر حاضر کرو''۔

یہ سن کے سات سو پریاں چار طرف تلاش کے واسطے ہل ہانکتی، کُودوں پھانکتی دوڑیں، لیکن کہیں اُس بے نشان کا نشان کسی نے نہ پایا - سچ ہے کہ بے نشان کا وہ نشان پائے

جو آپ کو بے نشان بنائے:

جو پیچھے گُم شدہ کے کوئی جائے
کرے گُم آپ کو جب اس کو پائے

بکاولی کہ دل اس کا تیرِ عشق سے چھد گیا تھا، درد کی شدت سے بلبلاتی تھی، کمان کی طرح چلاتی تھی - آخر بے تابی کے مارے گوشہ چھوڑ کر، رشتۂ شرم و حیا کو توڑ کر، چور کی تلاش میں کمر ہمت باندھ کر سر بہ صحرا نکلی - جہاں جاتی اسے کوئی نہ دیکھتا اور وہ ہر ایک کو دیکھ کر پرکھتی اور جانچتی -

غرض اسی طرح پھرتی پھرتی پورب دیس میں جا نکلی -

کہتے ہیں جب زین الملوک کے شہر میں وارد ہوئی، جس کوچہ و بازار میں جاتی وہاں اسباب عیش کا مہیا پاتی، ہر ایک دروازے پر خوشی کی نوبت بجتی دیکھی - یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران ہو کر آخر آپ کو پندرہ سولہ برس کا ایک جوانِ شکیل دیدار بنا کر کسی سے پوچھا کہ اس شہر میں چھوٹے بڑے کی خوشی کا سبب اور خاص و عام کی شادی کا باعث کہ برخلاف آئینِ حکمت ہے، کیا ہے؟

اس نے کہا کہ یہاں کا بادشاہ قضاء الٰہی سے اندھا ہو گیا تھا، اس کے بیٹے مدت مدید کے بعد بہت سی مصیبت اور رنج اٹھا کر گلِ بکاولی لائے کہ بادشاہ کی آنکھیں روشن ہوئیں، جب ارشاد کیا کہ برس دن تک اسی طرح سب اعلیٰ و ادنیٰ اپنے دروازوں پر نوبت دھریں اور عیش کریں -

بکاولی نے یہ مژدۂ جاں بخش سن کر کہا ”الحمداللہ! پائے طلب نے منزلِ مقصود پائی، محنت ٹھکانے لگی، یہ مُلک اسی فتنہ انگیز کا ہے، اغلب کہ وہ بھی ہاتھ آئے، خلش مٹ جائے -

پھر دریا کنارے جا کر کپڑے آتارے ، پانی میں آتری نہا دھو کر راہ کی ماندگی کھو کر ، کلفت ڈبو کر اور ایک جوانِ حسین بن کر پوشاک مردانی پہن کر بادشاھی محلوں کی طرف متوجہ ہوئی ۔ بازار میں ناز سے آھستہ آھستہ چلتی تھی ، جس کی طرف چشم سرمہ سا آٹھاتی آسے نقشِ پا کی طرح مٹاتی اور جس دم تیغِ آبرو یا خنجرِ مژگاں دکھاتی اھل نظر کو بسمل کی طرح لُٹاتی ۔ اور جس وقت زلفِ پر پیچ کو تاب دیتی تماشائیوں کے دل کو پیچ و تاب میں لاتی ۔ غرض جو اس کے سامنے آتا اس کو سکتہ ھو جاتا ۔

آخر تمام شہر میں اس کے حسن و جمال کا غل پڑ گیا ۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے بھی گوش گزار ھوا ۔ چنانچہ حضور سے ارشاد ھوا کہ اس جوانِ رعنا کو ھمارے پاس لاؤ ۔

قصہ کوتاہ حضورِ اعلیٰ میں اسے لے گئے ۔ حضرت نے پوچھا ”کہو کہاں سے آنا ھوا اور تمھارا کیا نام ھے ، کس واسطے آئے ھو ؟“

جوان نے عرض کی کہ وطن تو غلام کا پچھم ھے اور نام فرخ ، نوکری کی تلاش میں آیا ھوں ۔ اب جہاں پناہ کے تفضلات سے امید یہ ھے کہ حضور کے ملازموں میں سرفراز ھوں تا دعائے دولت میں خاطر جمع سے مشغول ھوں ۔

زین الملوک نے کہا ”بہت بہتر ! حاضر رھو“ اور خواصوں میں سرفراز کیا ، بلا قید کی پروانگی دی ۔

تھوڑے دن اسے گزرے تھے کہ چاروں شاھزادے ایک روز بارگاہِ سلطان میں آئے ۔ بادشاہ نے شفقت سے ھر ایک کو چھاتی سے لگا کر سر اور آنکھیں چومیں ، پھر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا ۔ وہ تسلیم کر کے بیٹھ گئے ۔

بکاولی نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں ؟

اس نے کہا ''تم نہیں پہچانتے؟ بادشاہ کے بیٹے ہیں''۔

تب اس نے ہر ایک کے قیافے کے سونے کو امتحان کی کسوٹی پر کسا ، لیکن کھرا نہ پایا ، سراپا کھوٹا ھی نظر آیا۔ پوچھا کہ بادشاہ کا کوئی آور بھی بیٹا ھے جو ان کے ساتھ گلِ بکاولی لینے گیا تھا ؟ اس نے کہا ''آور کوئی نہیں''۔

جب اس پر ثابت ھوا کہ بادشاہ آور کوئی بیٹا نہیں رکھتا ، نہایت گھبرائی ، اپنے طالع سے لڑنے لگی اور یہ اشعار پڑھنے لگی :

ارے بختِ زبوں تو نے کیا کیا
یہ عقدہ کام میں کیوں میرے ڈالا
نہ کھولے ناخن تدبیر اس کو
یہ وہ ھے کہتے ھیں تقدیر جس کو
اگر دیکھے کوئی خوابِ پریشاں
تو ھو تعبیر دینی اس کی آساں
مگر میرا مُعمّا ھے یہ لاحل
کسی مخلوق سے ھووے یہ کیا حل
کہوں کیا خواب کی اپنے میں تعبیر
نہیں تعبیر اس کی ، ھے یہ تعبیر

وہ کون سا عیار تھا جو اس باغ سے گل لے گیا ، گل نہیں بلکہ جان و دل لے گیا ، نیرنگ سازی کے سنگ افسوں سے اس نے میرے شیشۂ دل کو پھوڑا اور غائبانہ عشق کے تیر نے میرے سینے کو توڑا ۔ میں نے اس کی کس قدر 'جست و جو کی' کیا کیا محنت اور مشقت کھینچی، بارے یہاں اس گل کا نشاں ملا ، ٹک میرا غنچۂ دلِ کھلا :

نہیں کچھ شبہ بے شک میں نے جانا  یہی اس چور کا ہے گا ٹھکانا

لیکن فلکِ دغا باز نے میرا کھیل بگاڑا ، آبادی کی صورت دکھلا کر آجاڑا اور قرعہ ناامیدی کا میرے نام پر پھینکا :

کہاں جاؤں کروں کس سے میں فریاد
نہیں کچھ بس کروں ہوں داد بے داد

القصہ بکاولی نے اپنے دل میں ٹھہرایا کہ البتہ بادشاہ کا کوئی اور بھی بیٹا ہوگا ، کیونکہ ان نادانوں کے قیافے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس امر دشوار کی تحصیل ان سے کج فہموں ، ناعاقبت اندیشوں سے ہو سکے ۔ بہ ہر حال چندے اور بھی صبر کیا چاہیے ، دیکھوں تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے ۔

سبحان‌اللہ کیا اُلٹی بات ہے کہ معشوق طالب عاشق کا ہو اور عاشق اس کا مطلوب ، لیکن نظرِ تحقیق سے جو غور کرے تو سیدھی لگے ، کیوں کہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی نہ ہو اس کی چاہت اکارت ہے اور کوشش بے فائدہ ۔ آتش طلب کی جو عاشق کے گریباں سے مشتعل ہے ، فی‌الحقیقت لگائی ہوئی معشوق کی ہے :

عشق اول در دلِ معشوق پیدا می شود
گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

بات بڑھ گئی ، قلم کہتا ہے ، اے شخص بس کر ، میں نے لکھنے میں بہت سی کوشش کی ۔ اور ہاتھ اپنی سعی کا دعویٰ کرتے ہیں کہ قلم نے کیا کیا ، ہم نے ہی لکھا ہے ۔ بازو اپنے ہی تردّد کا دم مارتے ہیں کہ دست و قلم سے کیا ہو سکا ، جو کچھ کیا سو ہم نے کیا ۔ غرض اسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے اور ایک کو ایک پر فوقیت ہوتی گئی ۔ دفعۃً ایک ایسا

سبب پایا کہ وہ محتاج کسی کا نہ تھا[1]۔ بس اے عزیز! اگر تو بتاوے کہ فی‌الحقیقت لکھنے میں کس کی سعی ہے اور ظاہر میں کس کی، تو میں بھی عاشق کی سعی کا جواب دوں۔

# نویں داستان

## حمالہ کے پہنچنے کی تاج‌الملوک کے پاس دیووں سمیت اور بکاولی کی سی حویلی اور باغ تیار کرنے میں

جب تاج‌الملوک سے اُن ناعاقبت اندیشوں نے گلِ بکاولی چھین لیا، یہ بے چارہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ مثل ہے کہ قہرِ درویش بجانِ درویش۔

پھر اُن کج فہموں کے پیچھے پیچھے، بعد چند روز کے اپنے باپ کی سرحد میں، ایک جنگل جو درندوں کا مسکن تھا، اُس میں آ پہنچا۔ اور چقماق سے آگ جھاڑ کر حمالہ کے دیے ہوئے بال کو اُس پر رکھ دیا۔

چوتھائی بھی نہ جلا ہوگا کہ وہ اٹھارہ ہزار دیووں سمیت آ پہنچی اور تاج‌الملوک کو فقیروں کے بھیس میں دیکھ کر آگ ہو گئی کہ اے شہزادے! میری بیٹی کو کیا کیا اور تو نے اپنا کیا حال بنایا؟

---

۱۔ خلاصہ اس تمثیل کا یہ ہے کہ جس طرح آلات تحریر بہت ہیں اور ہر ایک کو اپنے ہی باعث تحریر ہونے کا دعویٰ، پر باطن میں اور ہے۔ اسی طور ظاہر میں عاشق کو معشوق کی اور معشوق کو عاشق کی طلب ہے اور در حقیقت محرک اس سلسلے کا وہ ہے کہ دل دونوں کا جس کے تصرف میں ہے۔

تاج الملوک بولا کہ آپ کی توجہ سے سب طرح خیریت ہے ، لیکن ایک کام مجھے نہایت منظور ہے اور اس کی تدبیر مجھ سے نہیں ہو سکتی ، اس واسطے آپ کو تصدیع دی ہے ۔

حمالہ نے کہا "اے عیار ! باتیں نہ بنا ، وہ کونسا کام ہے؟ کہیں جلدی کہو"۔

تاج الملوک نے عرض کی "میں چاہتا ہوں کہ اس جنگل میں ایک محل اور باغ جو ہو بہو بکاولی کے قصر اور باغ سا ہو ، بناؤں۔ تم جس طرح سے جانو جلد بنوا دو ۔

وہ بولی "اے بیٹا ! یہ کتنی بات ہے ، مگر میں نے تو اس کے باغ اور عمارت کو دیکھا نہیں ، بھلا بن دیکھے مکان کا نقشہ کس طرح بتاؤں اور بنواؤں ؟"

تاج الملوک بولا "جس طرح میں کہوں اسی طرح بنواؤ"۔

حمالہ نے اسی وقت کئی سو دیو لعل بدخشاں کے واسطے اور سیکڑوں عقیق یمانی کے لیے اور ہزاروں سونے روپے اور جواہرِ بیش قیمت کے واسطے ہر چہار طرف بھیجے ۔

دیووں نے تین روز کے عرصے میں جواہرات وغیرہ کے جابجا تودے لگا دیے ۔ پھر شہزادہ جس طرج بتانے لگا اسی طرح وہ بنانے لگے ۔

پہلے تو دو نیزے مٹی کھود کر پھینک دی اور وہاں زرِ خالص بھر دیا اور اسی قطعۂ طلائی پر جڑاؤ عمارتوں کی بنیاد ڈالی ۔

غرض تھوڑے دنوں میں ویسا ہی قصر اور اسی طرح کا باغ جواہرنگار، جڑاؤ نہریں، درختوں سمیت اور زبرجد اور یاقوت کے دو دالان عالی شان آمنے سامنے ، بیچ میں ان کے ایک حوضِ مُرصّع اسی قطع کا گلاب سے معمور بنایا۔ پھر ہر ایک مکان میں فرش اسی

رنگ کا بچھایا ۔ حاصل یہ ہے کہ جتنا جواہر ، سونا ، روپا دیو لائے تھے اس میں سے آدھا مکان کے بنانے میں خرچ ہوا ۔ چوتھائی کارخانہ جات کی تیاری کو دیا ، باقی خزانے میں داخل کیا ۔

جب عمارت سب بن چکی اور تاج‌الملوک کے پسند پڑی ، تب حمالہ نے اس سے کہا کہ تو بھی جانتا ہے کہ میں نے تیرے واسطے کس قدر رنج اٹھایا ، دکھ سہا۔ اس کے سوا دیووں کو آدمیوں سے کمال مخالفت ہے ، برعکس اس کے میں نے تجھ سے محبت کی اور کس شفقت سے پالا اور پرورش کیا ۔ علاوہ اس کے بکاولی کے ملک میں آج تک کوئی نہیں گیا ، تجھے پہنچایا ۔ پھر بہ سبب اس حرکت کے کہ جو تجھ سے وہاں ہوئی ، اس کے ہاتھ سے میں نے کیا کیا صعوبت اور زحمت اٹھائی ۔ سو یہ سب محمودہ جان کی خاطر ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا دامن ہوائے روزگار سے غبار آلودہ ہو ۔

یہ کہ کر رخصت ہوئی ۔ اس کے بعد جس مقام میں محمودہ اور دلبر کے تئیں استقامت کے لیے فرمایا تھا ، اسی طرف کو شہزادہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے گیا اور ان کو جڑاؤ عماریوں میں سوار کیا ۔ پیچھے پیچھے خواصوں کے محافے رتھیں ، جن پر کارچوبی سلطانی بانات کے غلاف پڑے ہوئے تھے ، آگے آگے غلام خوش پوشاک سونے روپے کے عصے ہاتھوں میں لیے گھوڑوں پر سوار بڑا ایک اہتمام کرتے ہوئے۔ غرض اس تجمل سے اس قصرِ عالی میں دونوں کو داخل کیا اور عیش و عشرت کے ساتھ اوقات بسر کرنے لگے ۔

# دسویں داستان

## خبر پہنچنے میں عمارت بنانے تاج الملوک کی زین الملوک کو

معمار سرائے سخن کا بنیاد اس داستان کے گھر بنانے کی اس طرح رکھتا ہے کہ ایک دن تاج الملوک کے غلاموں میں سے ساعد نام اس بیابان میں ادھر اُدھر سیر کرتا پھرتا تھا ۔ ناگاہ اس کی نگاہ کئی لکڑہاروں پر کہ جنگل سے لکڑیوں کے پشتار بوجھے لیے جاتے تھے جا پڑی ۔ ان سے پوچھا ''تم کون ہو اور یہ لکڑیاں کہاں لیے جاتے ہو ؟''

انہوں نے جواب دیا کہ ہم شرقستان کے لکڑہارے ہیں، یہی ہمارا کسب ہے ، اسی سے ہمارے لڑکے بالے پلتے ہیں ، دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں ۔

اس نے کہا کہ آج تم یہ گٹھے میرے آقا کے باورچی خانے میں لے چلو ، دولت خانہ اس بادشاہ عالی جاہ کا یہاں سے نزدیک تر ہے اور اس نے یہاں ایک شہر تازہ ولایت ابھی بسایا ہے ، واجبی قیمت ملے گی بلکہ ایسا انعام پاؤگے کہ پھر کبھی اور لکڑیاں بیچنے نہ جاؤ گے ۔

انہوں نے کہا ''ہماری تمام عمر اسی کام میں اور اسی بیابان سے لکڑیاں لے جاتے گزری لیکن آبادی کا یہاں نشان نہ دیکھا نہ سنا ''۔

ساعد نے کہا ''ذرا تم آگے بڑھ کر دیکھو ، اگر میرے کہنے کا کچھ اثر ظاہر ہو تو بہتر ، نہیں تو تمہارے پھر آنے کا کوئی مانع نہ ہوگا ''۔

لکڑھارے انعام کے لالچ سے ساعد کے آگے ہو لیے ، پھر تھوڑی سی دور جا کر سب ایک بارگی پکار اٹھے کہ نعوذباللہِ مِن الشیطانِ الرجیم ۔ اے میاں تم ہم کو کیوں آگ میں جھونکنے کو لیے جاتے ہو ، چولھے میں جائے انعام ، بھاڑ میں پڑے اکرام ، بس ہمیں معاف کرو ، ہم نے بھر پایا ۔

ساعد نے کہا ''یہ شعلۂ آتش نہیں حویلی کے جواھرات کی چمک ہے ۔ تم ھرگز اندیشہ نہ کرو اور میرے ساتھ چلے آؤ ''۔

وہ اس کے کہنے سے کچھ اور بھی بڑھے ، آگے ساری زمین سونے کی نظر آئی ، سب نے اس کی بات سچی پائی ، قدم اٹھائے ، بے دھڑک چلے ۔

آخر وہ حضور میں ان کو لے گیا ۔ تاج الملوک نے ایک ایک تھان بیش قیمت ھر ایک کو دے کر رخصت کیا اور فرمایا ''اگر تم یہاں آیا کرو تو اس سے دونا ھر روز پایا کرو ''۔

لکڑھاروں نے جب پہلے دن ایسا انعام پایا اور آئندہ امید بندھی ، اپنا وطن چھوڑ کر وھاں ھر ایک آ رھا ۔ یہ خبر ان کے ھمسائے میں پھیلی اور جا بجا منتشر ھوئی ۔

غرض جو کوئی اس شہر کے دیکھنے کو جاتا ھرگز وھاں سے پھر کر گھر نہ آتا ، وھیں رھتا ، اور کوتوال شرقستان ھر روز رعیت کے بھاگنے کی خبر وزیر کے حضور میں کہتا ۔ چنانچہ ایک دن اس نے خبر دی کہ آج رات ھزار گھر اھل حرفہ کے خالی ھوئے اور وہ بھاگ گئے ۔

وزیر نے کہا ''کچھ یہ بھی تو جانتا ھے کہ کہاں جاتے ھیں ؟''

تب وہ بولا کہ غلام نے سنا ھے کہ کسی نے درندوں کے

جنگل میں دس کوس تک سونے کی زمین بنا کر اس پر ایک اس طرح کا شہر آباد کیا ہے اور ایک قصر اور باغ بھی جواہر کا ایسا بنایا ہے کہ روئے زمین پر ویسا دوسرا نہیں ۔ جو دیکھتا ہے یہ مطلع پڑھتا ہے :

اگر فردوس بر رُوئے زمین است     همین است و همین است و همین است

اور اس کے دریائے سخاوت کی لہر دور نہیں کہ نام حاتم طائی کا اس زمانے کی اُبجو سے لے جاوے اور پانی اس کے دریائے عدالت کا بعید نہیں کہ نقش عدل نوشیرواں کا لوح جہاں سے مٹا دے ۔

وزیر نے اس کو باور نہ کیا ، کہا ''جو کام کہ طاقتِ بشر سے بعید ہو ، انسان کی کیا مجال کہ کر سکے''۔

کوتوال نے مکرر عرض کی کہ متواتر خبر پہنچی ہے ، جھوٹ کیوں کر ہوگی ۔ جو قادر کریم کہ عورت کو مرد بنا سکتا ہے اور مرد کو عورت ، وہ اگر دولت دنیوی کو کہ بمنزلہ ایک عورتِ شکیلہ کے ہے ، کسی مرد کے مطیع کر دے تو عجب کیا ہے :

نہ پوچھ چرخ ہوا ہے کمینہ پرور کیوں
بہانہ بے سببی بس ہے اس کے دینے کا

یہ حکایت آپ نے سنی ہوگی کہ کسی بادشاہ کی بیٹی نے علامت مرد کی ایک دیو سے لے کر اپنی شادی کی تھی ۔ وزیر نے کہا وہ کیوں کر ہے ؟

کوتوال نے عرض کی کہ :

## حکایت

اگلے وقت میں ایک بادشاہ تھا، اس کی محل سرا میں سو رنڈیاں صاحبِ جمال پری خصال تھیں ، پر کسی کے اولاد نہ ہوتی تھی ۔

خدا کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ سے بعد کئی مہینے کے

ایک کے لڑکی پیدا ہو گئی - اسی طرح تین بار جنی مگر لڑکا پیدا نہ ہوا - جب چوتھی بار حمل رہا بادشاہ نے قسم کھائی کہ اگر اب کی بار بھی بیٹی جنی تو اس کو اس سمیت جان سے مار ڈالوں گا -

تقدیر کی نیرنگی سے اس بار بھی لڑکی پیدا ہوئی ، لیکن نہایت خوب صورت پری طلعت - اس کی ماں نے جان کے خوف سے لڑکا مشہور کیا اور نجومیوں کو بھی تاکید کی کہ بادشاہ کو سمجھا دو کہ دس برس اس لڑکے کا منہ دیکھنا اچھا نہیں -

چنانچہ منجموں نے بادشاہ کی خدمت میں اسی طرح عرض کیا ، حضرت نے بھی مانا اور ویسا ہی کیا -

القصہ جب لڑکی ہوشیار ہوئی اور اس کے دیدار کی منادی کے دن تھوڑے رہے ، جب ماں نے بیٹا کہوانے کی وجہ اس کو سمجھا دی اور کہا ''اے بیٹی! تو بادشاہ کے حضور مردانی وضع سے آیا جایا کیجو کہ میری اور تیری زندگی رہے اور جان بچے ''-

چنانچہ لڑکی ایام معہودہ کے بعد اسی وضع سے بادشاہ کی خدمت میں کبھی کبھی جانے آنے لگی ، لیکن مجرا کر کے جلدی سے پھر آتی اور دیر تک نہ رہتی -

آخر اس دخترِ پسر نما کی نسبت دوسرے بادشاہ کی بیٹی سے کی -

جب شادی کے دن نزدیک پہنچے بادشاہ نے اس کو لباسِ شاہانہ پہنایا اور سونے کے ہودے پر بٹھا کر تجملِ بادشاہی سے دولہن کے ملک کو روانہ ہوا -

لڑکی اس حالت پر کبھی ہنستی اور کبھی روتی - ایک رات کسی ویرانے میں اتفاق رہنے کا ہوا ، لڑکی مارے شرم کے کہ آخر کار زندگانی وبالِ جان ہو گئی تھی ، چپکے سے اٹھ کر اس

بیابان میں چلی گئی ، اس ارادے سے کہ کوئی درندہ کھا جائے۔

جاتے جاتے ایک درخت کے تلے کہ وہ دیو کے رہنے کا مکان تھا پہنچی، وہ اس کے حسن پر دیوانہ ہو گیا اور آدمی کی صورت بن کر لڑکی کے آگے آ کر اس کا حال پوچھنے لگا ۔

اس نے ساری حقیقت جوں کی توں بیان کی ، یہ سن کر دیو کا دل بھر آیا ، بولا ”تو اگر امانت میں خیانت نہ کرے اور اس پر قول دے تو اپنی علامت کسی حکمت سے تیرے لگا دوں اور تیری علامت آپ اختیار کروں “۔

لڑکی دیو کے کہنے کے موافق عمل میں لائی ، اس نے بھی وعدہ پورا کیا ۔ پھر وہاں سے خرم و خنداں وہ اپنے ڈیرے میں آئی ۔

کئی روز کے بعد برات اپنی منزلِ مقصود کو پہنچی اور شادی سے فراغت کر کے بادشاہ اپنے ملک کو پھر آیا ۔ شہزادۂ نقلی چند مدت وہیں رہا ، جب اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا تب قصد وطن کا کیا اور منزلیں طے کرنے لگا ۔

جب اس جنگل میں پہنچا ، اسی درخت کے نیچے گیا ۔ کیا دیکھتا ہے کہ دیو بڑھیا کے بھیس میں رونی شکل بنائے بیٹھا ہے ۔ شہزادی نے کہا ”اے دیو میں نے تیری مہربانی سے اپنے دل کی مراد بھر پائی ، اب اپنی چیز لے اور میری مجھے دے[1] “۔

دیو نے کہا ”اب جا اپنی راہ لے، میں نے اپنی چیز تجھی کو بخشی“۔

وزیر نے کہا ”خدا کی قدرت برحق ہے ، مجھے کچھ اس میں شک نہیں ، لیکن محال چیزوں کا آدمیوں سے موجود ہونا عقل میں نہیں آتا ، کوئی دانا اس کو نہیں مانتا ۔ شاید تو نے چڑے اور فقیر کی کہانی نہیں سنی ۔

---

۱ - یہاں سے کچھ عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔

کوتوال نے عرض کیا "فرمائیے"۔
وزیر نے کہا :

## حکایت

حضرت سلیمانؑ کے عہد میں چڑیا کا جوڑا ایک روز راہ میں بیٹھا دانہ کھاتا تھا، ایک فقیر جبہ پوش کو دور سے آتے دیکھا، مادہ نے نر سے کہا "خبردار دشمن آتا ہے، ایسا نہ ہو کہ پنجۂ بلا میں گرفتار کرے" نر بولا کہ اس خدا دوست سے کچھ اندیشہ نہیں، جو خدا کی راہ پر چلتے ہیں وہ کسی کی ایذا کے روادار نہیں ہوتے۔

ان ہی باتوں میں تھے کہ فقیر آ پہنچا اور بغل سے ایک سونٹا نکال ایسا پھینک مارا کہ نر کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ بہر حال اس ظالم کے ہاتھ سے بھاگ کر گرتا پڑتا حضرت سلیمانؑ بادشاہ کے پاس گیا۔

پہلے تو جا کر دعا دی، پھر یہ عرض کی کہ فلانے درویش نے بے تقصیر میرا بازو توڑ ڈالا ہے۔

بادشاہ نے فرمایا "اس کو حاضر کرو"۔

چنانچہ حضور میں اسے لے آئے۔ تب حضرت نے غضب سے فرمایا کہ تو نے اس کو کیوں مارا ہے؟

اس نے عرض کیا کہ اگر میں نے اس کو مارا تو کیا ظلم کیا، کیوں کہ انسان کی خوراک ہے۔

یہ سن کر چڑا بولا کہ اگرچہ میں بے چارہ چھوٹا سا جانور ہوں، پر اس قدر مجھ کو شعور ہے کہ اپنے دوست سے شیر و شکر کے مانند مل جاتا ہوں اور دشمن سے کڑی کمان کے تیر کی طرح بھاگتا ہوں۔ تیری پیوندی گدڑی دیکھ کر میں نے جانا کہ تو خدا کی راہ پر ہے، کسی کے حق میں بدی نہ کرے گا، لیکن اب مجھ پر کھلا کہ تیرا رہنما شیطان ہے اور گدڑی میں فقط مکر و دغا

بھرا ہے ۔ اب اس کو آتار رکھ کہ اور کوئی میری طرح سے فریب نہ کھائے اور تیرے دام مکر میں نہ آجائے ۔

چڑے کی باتیں حضرت کو نہایت پسند آئیں ۔ فقیر کو لعنت ملامت کر کے نکال دیا ۔

اور بعد چند روز کے وہی چڑا کہیں چگتا تھا ۔ کسی درویش نے کسی طرح اس کو پنجرے میں پکڑ کر بند کیا ۔ چڑا سمجھا کہ اب کی تو جان پر آ بنی ۔ سوچ کر یوں کہنے لگا ''اے مرد خدا بیچنے سے میرے تجھ کو چنداں نفع نہ ہوگا اور کھانے سے بھی ۔ رکھنا بھی علیٰ ہذالقیاس بے فائدہ ہے ۔ پس چند سخن کہ ہر ایک دُرِ بے بہا ہے ، اگر مجھ کو چھوڑ دے تو کہوں ''۔

یہ سن کر فقیر بہت خوش ہوا ، پنجرے سے نکال پاؤں پکڑ کر ہاتھ پر بٹھا لیا اور کہا ''لو کہو''۔

چڑا بولا ''ایک عالم کہتا ہے کہ خدا چاہے تو بہتر اونٹ کی قطار سوئی کے ناکے سے نکل جائے ۔ یہ بات سچ ہے، خدا کی قدرت سے کچھ دور نہیں ، پر یہ آدمی کی سعی سے ہرگز اعتبار نہ کیا چاہیے ۔ دوسرے یہ کہ جو کام اپنے اختیار میں نہ رہے اس کے واسطے غمگیں نہ ہوجیے ۔ اے درویش! اب چھوڑ دے تو اور کہوں ؟''

درویش آزاد نے اسے آزاد کیا ۔ چڑا اڑ کر ایک درخت کی ڈالی پر جا بیٹھا اور بولا ''فقیر تو بڑا احمق ہے ۔ کیا تیری عقل ماری گئی جو ایسا شکار اپنے ہاتھ سے کھویا ؟ میرے پیٹ میں ایک لعل بے بہا ہے، اگر تو مجھے مار کر کھاتا تو وہ بھی تیرے ہاتھ آتا ''۔

درویش یہ سن کر ہاتھ ملنے لگا اور یوں کہنے لگا ''اے پرند بھلا میں اس نفع سے گزرا ، لیکن تو اور باتیں تو کہ ''۔

چڑا بولا کہ تیرادل مانند چکنے گھڑے کے ہے ، میری باتیں اس

پر اثر نہ کریں گی، ناحق کہ کر کیوں ضائع کروں ۔ مشہور ہے اندھے کے آگے روؤ اپنی آنکھیں کھوؤ ۔ اے نادان ! ابھی تو میں نے تجھ سے کہا تھا کہ جو چیز اپنے قبضے سے نکل جائے اس کے واسطے نہ پچھتائے ۔ اسی دم بھول گیا اور یہ نہ سمجھا کہ میں نے لعل کیوں کر نگلا ہوگا ؟

یہ کہ کر چڑا تو اڑ گیا اور فقیر نے مایوس ہو کر گھر کا رستہ لیا ۔

اس بات سے اپنی غرض یہ ہے کہ خدا کو سب طرح کی قدرت اور طاقت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ بے تحقیقات بادشاہوں کی جناب میں کچھ عرض معروض نہ کرے ۔ اس واسطے تجھ کو لازم ہے کہ پہلے تو جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ آ پھر عرض کر ۔

# گیارھویں داستان

## جانے میں زین الملوک کی، لشکر اور ارکانِ دولت کے ساتھ ضیافت کھانے کو تاج الملوک کے مکان میں

آخر کوتوال نے وزیر سے رخصت لے کر ملکِ نگارین کی راہ لی ۔ جب تھوڑی سی راہ طے ہوئی ، ہراول پکار اٹھا کہ اس جنگل میں ایسی آگ لگ رہی ہے کہ اس کے شعلے آسمان تک پہنچتے ہیں ۔ اتنے میں سواری کچھ اور آگے بڑھی ، سونے کی زمین نظر آئی اور جڑاؤ عمارت ، جب ظاہر ہوا کہ جس پر آتش کا گماں کیا تھا وہ یہی تھی، شعلے نہ تھے وہ اس کی چمک تھی ۔

اتنے میں تاج الملوک نے جو کوتوال کے آنے کی خبر سنی فرمایا کہ حوضوں کو بھرواؤ ، فوارے چھڑواؤ ، اسے یاقوت کے دالان میں بٹھاؤ ۔

اهل کار حسب حکم کوتوال کو حویلی میں لے گئے ۔ وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا جگمگاھٹ سے جواھرات کی چکاچوند لگ جاتی تھی ۔

بعد ایک ساعت کے تاجالملوک نے بھی تخت شوکت کو زیب و زینت بخشی۔ کوتوال اُٹھ کر آداب بجا لایا اور دعا اور ثنا کے بعد عرض کرنے لگا ''جب حضرت کےمکان بنانے اور ملک بسانے کی اس جنگل میں خبر شرقستان کے بادشاہ کی جناب میں پہنچی ، تب اس خانہ زاد کو تحقیقات حال کے لیے بھیجا ھے ۔ گستاخی معاف! اگر آپ کے دل میں خواھش سلطنت کی اور ارادہ فساد کا ھو تو اِدھر سے بھی کچھ درنگ نہیں ، ورِالا طوق بندگی کا گلے میں ڈال کر بارگاہ سلطانی میں حاضر ھو جیے ، کیوں کہ دو تلواریں ایک میان میں نہیں رھتیں اور نہ دو بادشاہ ایک ولایت میں ''۔

تاج‌الملوک یہ سن کہ بولا ''میں نے تو اس حیوانات کے وطن میں ایک عبادت گاہ بنائی ھے ، حق تعالیٰ کی بندگی میں مشغول رھتا ھوں ، خواھش بادشاھی کی مطلقاً نہیں ، بلکہ دعوائے دولت خواھی ھے ''۔

کوتوال نے جو یہ کلمات شائستہ سنے ، خوشی خوشی رخصت ھوا اور جو کچھ دیکھا سنا تھا وزیر سے مفصل کہا ۔

وہ سن کر ایک لمحہ تو فکر میں ڈوبا رھا ، پھر بادشاہ کی حضور میں جا کر جو کیفیت سنی تھی عرض کی ۔ بعضوں نے تو سچ جانا اور کتنوں نے جھوٹ سمجھ کر نہ مانا ۔ بکاولی کہ زین‌الملوک کی خدمت میں حاضر تھی، یہ بات سن کر دل میں کہنے لگی کہ الحمدللہ اتنی مدت کے بعد عقدۂ بستہ کی صورتِ کشائش اور شبِ نا اُمیدی کے بعد صبح آسائش کے ھونے کی شکل نظر آئی :

طپش دل نے خبر یار کے آنے کی دی
خوش ھوائے چشم کہ یہ زمزمہ افواہ نہیں

بادشاہ بھی اس ماجرے کو وزیر سے سن کر ایک ساعت گریبان تفکر میں سر ڈالے رہا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہی صورت ہے تو ایک نہ ایک دن زوالِ سلطنت کا موجب ہوگا ۔

وزیر نے آداب بجا لا کر عرض کیا کہ عقلمندوں نے کہا ہے جس دشمن سے لڑائی میں بر نہ آ سکے اس سے دارومدار کر کے مل جائے ۔ بیت :

خوشی سے بر آمد جو ہو کام کی تو کیجے نہ تندی و گردن کشی

اب تدبیر یہ ہے کہ قبلۂ عالم اس سے اخلاص بڑھائیں اور رشتۂ محبت اس کی گردن میں ڈالیں ۔

بادشاہ نے فرمایا ''تیرے سوا کسی کو اس بات کے لائق نہیں دیکھتا ہوں ، تو ہی وہاں جا اور رابطہ اس سے بہم پہنچا ، لیکن وہ کام کیجو کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ، یعنی میری شان نہ گھٹے اور اخلاص بڑھے ۔

وزیر خجستہ تدبیر بموجب حکم کے بڑے کرّ و فر سے روانہ ہوا ۔

جب تاج‌الملوک کو اس کے آنے کی خبر پہنچی ، ارشاد کیا کہ فرش و فروش کی تیاری نئے سرے سے کریں ، حوضوں کا گلاب بدلوائیں ، فوارے چھڑوائیں اور اس کو لعل بدخشانی کے دالان میں بٹھائیں ۔

جب وہ آیا ، اہل کار اسی طرح عمل میں لائے ۔ شاہزادہ آپ بھی وہاں رونق افزا ہوا اور ایک جڑاؤ کرسی پر بیٹھا ۔

وزیر نے اٹھ کر مجرا کیا ، دعائیں دیں ، پھر التماس کیا کہ آگے اس سے ایک بادشاہی بندہ حضور میں حاضر ہوا تھا اور اس نے آپ کا پیامِ محبت انجام حضور معلّیٰ میں پہنچایا ، اوصاف پسندیدہ بھی بہت سے بیان کیے ، بادشاہ کی آتش غضب کو سرد کر دیا ۔

بلکہ قبلۂ عالم کو حضرت کی ملاقات کا مشتاق کیا ۔ اس سے کیا بہتر ہے کہ دو چشمے فیض و عطا کے اور دو دریا جود و سخا کے باہم ملیں ۔

تاج الملوک نے کہا ''جو پیام کہ میری طرف سے لازم تھا سو حضرت جہاں پناہ کی طرف سے آیا، بسر و چشم مجھے قبول ہے ۔ میری بھی آرزو یہی تھی''۔

پھر وزیر نے عرض کی ''انشاءاللہ تعالیٰ بعد ایک ہفتہ کے حضرتِ عالم پناہ یہاں رونق بخش ہوں گے''۔

پھر خاصہ یاد کیا ۔ بکاول رنگ برنگ کا طعام لذیذ اور خوش گوار جواہر نگار باسنوں میں نکلوا کر چاندی سونے کے خوانوں میں لگا کر نعمت خانے میں لایا اور دستر خوان زر بفت کا بچھوا کر کھانا چن دیا ۔

شہزادے نے وزیر کے ساتھ نوش جان فرمایا ۔ اس کے بعد ارشاد کیا کہ وزیر کے ہمراہیوں کو بھی تقسیم کرو لیکن ظروفِ نقرئی اور طلائی پھیر نہ لیجو ۔

جب لوگوں کو کھانے سے فراغت ہوئی، وزیر رخصت ہو کر شرقستان کو روانہ ہوا ، شتاب حضور والا میں پہنچا ، تمام ماجرا مفصّل ظاہر کیا ۔

کہتے ہیں انھیں دنوں میں تاج الملوک نے ایک رات حمالہ کے سر کا بال آگ پر رکھا ، وہ اسی دم ہزاروں دیووں سمیت وہاں آ پہنچی ۔ تاج الملوک اور محمودہ نے اٹھ کر سلام کیا ۔ اس نے دونوں کی بلائیں لیں ، چھاتی سے لگایا ، ماتھا چوما ، خیر و عافیت پوچھی ۔ تاج الملوک نے کہا ''آپ کی سلامتی میں سب طرح کا چین و آرام میسّر ہے، کچھ غم نہیں اور کسی چیز کی کمی نہیں ، لیکن کل ضیافت بادشاہ شرقستان کی مقرّر ہوئی ہے ، وہ

یہاں تشریف لائیں گے ۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس سرزمین سے آن کے شہر تک فرش باناتی اور مخمل سُرخ اور سبز کا بچھوا دو اور کوس کوس بھر پر خیمے قاقم اور سنجاب کے ، طنابیں آن کی کلابتونی، پردے دیبا اور اطلس کے ، چوبیں گنگا جمنی ، میخیں طلائی اور نقرئی ہوں ، استادہ کروا دو ۔ مگر اس افراط سے ہوں کہ بادشاہ کے ہر ایک چھوٹے بڑے ، امیر غریب کو جدا جدا آرام گاہ میسّر ہو کہ مخلی بالطبع رہے ۔

حمالہ نے دیووں کو حکم کیا ۔ انھوں نے تمام رات میں ویسی ہی تیاری کر دی اور آپ اپنے ملک کی راہ لی ۔

صبح کے وقت شرقستان کے بادشاہ نے بموجبِ اقرار اپنے وزیروں امیروں کو حکم کیا کہ بھاری بھاری زرق برق کی پوشاکیں اور کئی ہزار سواروں کا پرا لباسِ گوناگوں اور ہتھیارِ بوقلموں سے آراستہ ہو کر داھنی طرف رہے اور ایسا ہی سجا سجایا بائیں طرف۔ اور ایک غول سواروں کا مسلح اوبچی بنا ہوا آگے ۔ اور ھاتھیوں کا حلقہ سنہری روپہلی ہودے اور عماریوں سے پیچھے ۔ ہر نوجوان بان نشان بادلے کا چمکتا ہوا ھاتھ میں لے کر چست ہوا ، تمام ٹھاٹھ سواری کا درست ہوا ۔ القصہ اس ہیئت سے سواری کے سامان تیار ہوئے ۔

جہاں پناہ ایک جڑاؤ عماری میں سوار ہوئے اور بکاولی مردانہ لباس نہایت پرتکلف اور جواہر پہن کر کمرِ آرزو محکم باندھ کر خواصی میں آ بیٹھی ۔ چاروں شہزادے بھی خلعتِ شاہانہ زیبِ بدن کر کے زرق برق سے اپنے اپنے ھاتھیوں پر سوار ہوئے، پھر سواری تاج‌الملوک کے ملک کو روانہ ہوئی ۔

زین‌الملوک شہر سے کوس بھر آگے گیا ہوگا کہ ناگاہ زری کے خیموں کی چمک مانند شعاعِ آفتاب کے نظر آئی ، بولا ”اغلب

ہے کہ یہ وہی مکان ہو جس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور آنکھ جھپکی جاتی ہے "۔

وزیر نے عرض کی کہ ایں گل دیگر شگفت ۔ حضرت رات کی رات میں کچھ کا کچھ رنگ بدل گیا ۔ یہاں فقط جنگل تھا ، جھاڑ جھنکار کے سوا غلام نے کچھ نہیں دیکھا ۔ دم مارنے کی جگہ نہیں قادر کریم نے ایک مخلوق کو ایسی قدرت دی ہے کہ اس کی صنعت کی کُنہ صاحبانِ خرد کو دریافت نہیں ہو سکتی ۔ ان کی عقل وادی حیرت میں بھٹکتی ہے ، ملک نگاریں بہت دور ہے اس عجائب روزگار نے راستے میں یہ تماشا دکھایا ہے ، اسے بھی ملاحظہ فرمائیے ۔

بادشاہ وزیر انہیں باتوں میں تھے کہ اس کے ملازموں میں سے ایک شخص نے آ کر عرض کی "ہمارے آقا کا حکم یوں ہے کہ عالم پناہ کی سواری جس جگہ سے آگے بڑھے ، وہاں کا اسباب وغیرہ سب فقیر و فقرا ، غریب و غربا لوٹ لیں اور خود بدولت ہر ایک منزل میں جس خیمے کو پسند کریں اس میں استراحت فرمائیں "۔

چنانچہ بادشاہ جس جگہ تشریف لاتے اسباب ضیافت کا جو روئے زمین کے بادشاہوں کو میسّر نہ تھا ، وہ مُہیّا پاتے ۔ غرض جس قدر سواری آگے بڑھتی جاتی تھی اس قدر اسباب کی زیادتی نظر آتی تھی اور عجائب سے طبیعت بیشتر حظ اٹھاتی تھی ۔

تاج الملوک آپ بھی ایک منزل استقبال کے لیے آیا اور سارے لوازم آداب بجا لایا ۔ آخر بادشاہ کے ساتھ کمال خوشی اور خرمی سے اپنے قصر مبارک میں داخل ہوا ۔

حضرت کو زمرد کے مکان میں اعزاز و اکرام سے بٹھایا ، اور مکانوں کو بھی آراستہ کیا۔ جابجا نئے نئے فرش بچھ گئے ، گلاب کے حوضوں میں فوارے چھوٹنے لگے۔ بادشاہ راہ کے عجائبات سے تو متعجب

هوهی رہے تھے، عمارات اور باغ کی ساخت اور تیاری ملاحظہ فرما کے عالمِ بے خودی میں آ گئے ۔ بکاولی بھی شاہزادے کا جمال و کمال دیکھ کر دیوانی ہو گئی ، ہوش سے جاتی رہی ، سچ ہے ۔ شعر:

جسدم کمانِ ابرو کوئی تیرِ کرشمہ چھوڑ دے
سارے دلوں کو چھوڑ دے عاشق کے دل کو توڑ دے

ایک لمحے کے بعد وہ ہر طرف آنکھوں کو مل کر دیکھنے لگی ، جس مکان پر نظر پڑی اُس کا نقشہ اور جواہر اپنے مکان کا سا دیکھا، متحیر ہو کر جی میں کہنے لگی ، یہ کوئی بڑا جادوگر ہے کہ میری عمارت کو معلق یہاں اُٹھا لایا ہے اور اس جنگل کو عالمِ طلسم بنایا ہے ۔

ایک پری کو جو اس کے ساتھ خدمت گاری کے لیے آدمیوں کے بھیس میں تھی ، اس نے اشارہ کیا کہ نظرِ غور سے دیکھ اور بخوبی دریافت کر کہ یہ کیا ماجرا ہے ۔

اس نے متامل ہوکر عرض کی ”آپ کے مکان جہاں تھے وہیں ہیں ، کچھ اندیشہ نہ کیجیے ، یہ نئی عمارت ہے ، اس شخص نے یہ کام کیا ہے کہ ایسی نقل بنوائی ہے کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا ہر ایک کا کام نہیں ، آفریں اس کی چترائی اور دانائی کو“۔

یہ سن کر بکاولی بہت خوش ہوئی کہ چور میں نے پکڑا اور مال اپنا پایا ۔ چاہتی تھی کہ اُسی وقت افشائے راز کرے اور پردہ درمیان سے اُٹھا دے ، لیکن حیا مانع ہوئی ۔ جبراً اور قہراً قدمِ صبر و توکل کا گاڑے رہی ۔

القصہ دستر خوان بچھا اور طرح طرح کا کھانا سونے روپے کے باسنوں میں چن دیا ۔ اُس کی حلاوت کی تعریف کیوں کر لکھیے کہ زبان قلم کی بند ہوئی جاتی ہے اور اس خوانِ کافوری کاغذ میں نہیں سماتی ہے ۔ حضرت اهل خدمت کے سلیقے اور اهل کاروں کے

طریقے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ خاصہ فرزندوں اور مصاحبوں سمیت خوشی خوشی نوشِ جان فرمایا۔

اتنے میں اربابِ نشاط حاضر ہوئے، صحبت راگ و رنگ کی دیر تک رہی۔ اشعار:

مُطربوں کی ہوئی بلند صدا　　ماہ پیکر لگے دکھانے ادا
گل نغمہ گئے سراسر پھول　　دف و نےَ کام میں ہوئے مشغول

القّصہ اس کے بعد بادشاہ اور تاج الملوک اختلاط کرنے لگے اور باتوں میں مشغول ہوئے۔

شاہزادے نے پوچھا کہ آپ کے فرزند کےَ ہیں؟

حضرت نے چاروں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے سوا اب کوئی نہیں۔ ایک اور بھی تھا اُس کے دیدار نحس کی بدولت یہ بلائے ناگہانی مجھ پر نازل ہوئی تھی۔ افضال الٰہی سے میں نے نجات پائی اور وہ اُسی حالت میں خدا جانے کہاں نکل گیا۔

تاج الملوک نے یہ سن کر کہا کہ کس سبب سے اُس نے درگاہِ عالی کو چھوڑا اور اس درِ دولت سے منہ موڑا۔ کوئی اس مجلس میں اُسے پہچانتا ہے یا نہیں؟

یہ سن کر زین الملوک نے اُس کی پیدائش اور اپنی نابینائی کا ماجرا اول سے آخر تک ظاہر کیا، پھر ایک امیر کی طرف جو اُس کا اتالیق تھا اشارت کی کہ اس کے سوا کوئی اُس کی صورت سے واقف نہیں۔

شاہزادہ اُس کی طرف مخاطب ہوا کہ دیکھو تو اس مجلس میں کوئی اُس کی شکل سے مشابہ ہے یا نہیں؟

اُس جہاں دیدہ نے شاہزادے کا نقشہ اور گفتگو کا رویہ بغور ملاحظہ کر کے عرض کی کہ اتنوں میں کسی کو اُس شاہزادے کی صُورت اور شکل کے موافق نہیں دیکھتا، مگر چہرۂ مبارک میں

اکثر علامتیں پائی جاتی ہیں اور بول چال کی وضع بھی بہت ملتی ہے۔

سنتے ہی اس کلام کو تاج الملوک اٹھ کر باپ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کی کہ میں وہی ناخلف ہوں جو اتنی مدت تک نحوستِ ایام اور طالع ناکام کے باعث سرگرداں پھرا اور اس درگاہ سے محروم رہا۔ شکر ہے کہ دیدار مبارک جس طرح سے جی چاہتا تھا اسی طرح دیکھا اور قدم بوسی کی' جس وضع آرزو تھی بر آئی۔

زین الملوک نے یہ گفتگو سن کر مارے خوشی کے شہزادے کو چھاتی سے لگایا، سر اور آنکھیں چومیں، سجدہ شکرِ الٰہی بجا لایا۔ پھر بیٹے سے کہنے لگا ”یہ حشمت و اقبال کہ ایزدِ متعال نے تم کو بخشا ہے ہم کو پہلے ہی اس کا حال تمہارے روزِ تولد کے زائچے سے معلوم ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ چہرۂ مقصود کو آئینۂ ظہور میں حسبِ دل خواہ دیکھا۔ بارے آنکھوں میں روشنی دو چند ہوئی۔ یہ کہو کہ آج تک کہاں تھے اور سروِ آزاد ہو یا کسی شمشاد قد سے پیوند کیا ہے؟“

شہزادہ بولا کہ غلام کی دو منکوحہ ہیں، اگر حکم ہو تو بار یاب ہوویں اور قدم بوسی حاصل کریں۔
حضرت نے فرمایا ”اس سے کیا بہتر“۔

شہزادہ محل میں جا کر دلبر اور محمودہ کو بادشاہ کی خدمت میں لایا۔ وہ دونوں پری پیکر اس مکان کے قریب آ کر ٹھٹھک رہیں۔ تب زین الملوک نے کہا کہ یہاں کیوں نہیں آتیں جو ان کے دیدارِ فرحت آثار سے میں نرگس چشم کو منوّر کروں اور سینے کو سرور سے بھروں؟

تاج الملوک نے التماس کیا کہ آپ کی یہ لونڈیاں حیا سے نہیں آتی ہیں کہ چاروں شہزادے ان کے بندۂ آزاد ہیں۔ چنانچہ ان کی

مُہر سے اُن کے چوتڑوں پر داغ موجود ہیں، مزاج چاہے تو حضرت بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

اس راز کے کھلنے سے چاروں کے منہ کا رنگ اُڑ گیا ۔ شرمندہ ہو کر وہاں سے اُٹھ گئے ۔ تب وہ دونوں آ کر قدم بوس ہوئیں ۔

پھر زین‌الملوک نے تمام سرگزشت ایّام جدائی کی اور دلبر اور محمودہ جان کا احوال استفسار کیا ۔ شہزادے نے بھی شدائدِ سفر اور محنت بیابان کی ، اور احوال بھائیوں کے داغ کھانے کا دلبر کے ہاتھ سے، اورمروّت حمالہ کی، بیاہنا محمودہ کا ، لینا گلِ بکاولی کا گلاب کےحوض سے اور بکاولی کے دیکھنے کی کیفیت خواب کی حالت میں اور گلِ مذکور چھین لینا بھائیوں کا ، پھر بنانا باغ اور حویلی کا بیابان میں مفصّل ظاہر کیا ۔

اتنے میں بادشاہ کو تاج‌الملوک کی ماں یاد آ گئی ۔ بولے کہ تم نے میری تو آنکھیں گلِ بکاولی سے روشن کیں اور اپنے دیدار سے دروازہ سرور کا دلِ غم ناک کے آگے کھول دیا ، اب مجھ کو بھی لازم ہے کہ اس دردِ انتظار کی ماری تمھاری ماں کو یہ مژدۂ جاں بخش سناؤں اور اس مبتلائے رنجِ فراق اور تشنۂ دیدار کو تمھارے آنے کی خوش خبری کا شربت پلاؤں ۔

یہ کہہ کر بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور قلعۂ مبارک میں تشریف لا کر تاج‌الملوک کی ماں کے پاس گئے اور ایّام گزشتہ کی بد سلوکی کا بہت سا عذر کیا ۔ آگے سے زیادہ سرفراز کیا اور بیٹے کے آنے کا مژدہ دیا ۔

اے عزیز ! تیری عزت بادشاہ کے دربار میں تیری خدمت کے موافق ہوگی ۔ چاہیے کہ شہزادے کے مانند کار شائستہ کرے تو تیری محنت شاہ کے دل میں مؤثر ہو اور پیغام اپنی ملاقات کا

تجھے بھیجے ، بلکہ بے باکانہ آپ ھی تیرے پاس چلا آئے اور بے اختیار تیرا سر اپنی چھاتی سے لگائے ، اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہ ھو لیکن آخر کار اسی مقام میں آپ کو پہنچائے کہ وھاں تیرا کوئی شریک نہ ھو سکے ۔ پھر ایسا کام نہ کیجیو کہ شہزادوں کے مانند داغ لعنت اٹھائے اور کس و ناکس کے روبرو رسوا ھو ۔

# بارھویں داستان

## بکاولی کے رخصت ھونے کی زین‌الملوک سے اور نامہ لکھنے میں تاج‌الملوک کو

زین‌الملوک جب اپنے دارلسلطنت میں داخل ھوا ، بکاولی اس سے رخصت ھو کر اپنے باغ میں آئی اور ایک اشتیاق نامہ تاج‌الملوک کے لیے لکھا ۔ پھر تاج‌الملوک کی انگوٹھی سمیت سمن رو پری کو کہ خفیہ اس کے ساتھ گئی تھی، حوالے کیا اور کہا ”جلد جا ، جس وقت شہزادے کو کاروبارِ دنیا سے فارغ و تنہا پائیو ان دونوں کو اس کے ھاتھ میں دیجیو“۔

وہ اڑن ناگن نامہ لے کر اسی‌وقت اڑی ، ایک دم میں تاج‌الملوک کے محل میں آ پہنچی اور کسی طرف گھات میں لگ رھی ۔ جب تاج‌الملوک بکاولی کے دھیان میں اکیلے مکان میں آ بیٹھا ، یہ اس کے روبرو جا کر آداب بجا لائی اور وہ امانت حوالے کی ۔
شہزادے نے اپنی انگوٹھی پہچانی اور خط کھول کر پڑھا ۔ مضمون یہ تھا :

### نامۂ بکاولی

سخن ابتدا کر بنام خدا　　　کہ ھے وہ مبرا ز چون و چرا
ستاروں سے روشن کیا آسماں　　　کیے جن و انساں زمیں پر عیاں

جمال و کرشمے پری کو دیے — جلایا دلِ آدمی عشق سے
پری پر دیا پھر اسی کو شرف — کیا مائل اس کو اسی کی طرف
ٹک ایک اپنے پرتو کو لیلیٰ پہ ڈال — ہوا مجنوں دیکھ اس کا آپ ہی جمال
عیاں حسن کو بن کے شیریں کیا — وہی بن کے فرہاد شیدا ہوا
ہے سہر اس کے جلوے کی ادنیٰ ضیا — اسی پر ہے بے تاب ذرّہ سدا
چراغ عشق کا دل میں روشن کیا — شعور اس پہ پروانہ ہو کر جلا
ہے بعد اس کے میرا پیام و سلام — تجھے اے شہِ خوب رو نیک نام
تری چشم و ابرو نے اے شوخ و شنگ — لگائے مرے دل پہ لاکھوں خدنگ
اور اس زُلفِ پُرخم نے اے گلعذار — کیا مثلِ قمری مجھے طوق دار
کیا ہے دل و جاں کو خوں عشق نے — جلایا درون و برون عشق نے
غلط یہ سخن جگ میں ہے مشتہر — کہ اک دل کو ہے دوسرے کی خبر
جلوں ہوں میں تجھ کو خبر کچھ نہیں — مرے سوزِ دل میں اثر کچھ نہیں
ترے ہجر میں غم کدہ ہے یہ گھر — نہ ہو تُو تو جنّت بھی ہووے سقر
چوا شربتِ وصل مُنہ میں ذرا — لبوں پر مری جان ٹھہری ہے آ
کیا دل ترے غم نے ایسا فگار — ہوئے ایک ٹکڑے کے ٹکڑے ہزار
میں ناسفتہ گوہر ہوں اے خوش لقب — ہے الماس کی مجھ کو تجھ سے طلب
تو دریا ہے اور میں ہوں تشنہ جگر — بُجھا پیاس کو میری ٹک آن کر
ترے غم میں جی سے گزر جاؤں گی — اگر تو نہ پہنچا تو مر جاؤں گی
ولے خوش میں ہوں گی بروز جزا — کہ ہوں گے ترے لعلِ لب خوں بہا
جواب اس کا دیوے گا تو کیا مجھے — جو پوچھوں گی کاہیں کو مارا مجھے
نہ بول آگے بس اے زبانِ قلم — دکھانے کو ان کے نہیں ہے یہ کم

غرض تاج الملوک نے مضمون نامے کا کہ ہر لفظ بھرا ہوا شوق سے اور ہر ایک سطر اس کی پُر عشق کے ذوق سے تھی، دریافت کیا، عشق کی آگ سینے میں دبی ہوئی تھی، بھڑکنے لگی، سیماب کے مانند بے تاب ہو کر تڑپنے لگا۔ آخرش شمعِ شب افروز عشق نے جلا دیا اور دلِ مہجور کو داغوں سے معمور کیا،

شور و فغاں سے حشر برپا ہوا ، آہ کا دھواں چاروں طرف سے گھٹ گیا ۔ دل کی بے قراری کو تھام ، چار و ناچار صبر کیا ۔ پھر قلمِ فراق رقم کو پکڑ ایک بند کاغذ کا اٹھا لیا اور نامے کا جواب یوں لکھنے لگا :

## نامہ تاج الملوک کا

اے عاشقوں کی جلانے والی ہے طرزِ جفا تری نرالی
تو سیم تنوں کی صف شکن ہے تو عشق کی رہ میں راہزن ہے
ابرو تری آنکھ پر وہ خم دار ہے مست کے پاس جیسے تلوار
جادو ہے تری نگاہِ پنہاں یا برق برائے خرمنِ جاں
غنچہ ہے ترے دہن سے دل تنگ آگے ترے لب کے لعل بے رنگ
روشن ہے تجھی سے چشمِ امید میں ذرہ نمط ہوں تو ہے خورشید

اے نازنینِ زہرہ جبیں و اے رشک افزائے بتانِ چین ! تیرے اشتیاق نامے کے مضامینِ آتش بار نے میرے استخواں کو برنگِ شمع شب افروز جلا دیا اور دلِ مہجور کو داغوں سے معمور کیا ۔ اے شمع شب افروز ! جو داغ تیرے عشق کی سوزش سے میرے سینے میں پڑے ہیں ہرگز نہ مٹیں گے ، بلکہ جب تک ماہ کے جگر میں کلف ہے تب تلک یہ بھی چمکا کریں گے ۔ یہ نہ جانیو کہ تیرا تصوّر میری آنکھوں سے کسی وقت جاتا ہے یا تیری یاد کسی دم میرا دل بھلاتا ہے ۔ کوئی گھڑی نہیں کہ جس میں مجھ کو تیری جستجو نہیں اور تیرے ملنے کی آرزو نہیں ۔ میں تو تیرا نام ہی سن کر ایسا دیوانہ ہوا کہ آنکھوں سے راہ چلا ، جان کا خطرہ نہ کیا ، دیووں سے کس کس طرح سازش کی، ان کی گردن میں کمندِ محبت ڈالی، تب کہیں تیرے جمالِ جہاں آرا کو ٹک دیکھا اور نمک دل کے زخم پر چھڑکا ۔ فی الجملہ میرے سینۂ سوزاں کی وہ ایک چنگاری ہے جو تیرے دل میں جا پڑی ،

میری برق اشتیاق کی ایک تڑپ ہے جو تیرے خرمن کی طرف دوڑ گئی ہے :

ہے فیض عشق کی جرشش یہ ہے جو سینے میں
شراب ایک ہے لیکن دو آبگینے میں

میں کیا کہوں ، مجھ سے کیا ہو سکتا ہے، جذبہ تیرا ہی کام کا ہے :
تا نہ ہو دلبر کی جانب سے کشش عاشق بیچارہ کہ کیا کر سکے
بس زیادہ اس قلم کو اپنے راز سے اشنا نہ کیا چاہیے کہ کہ گئے ہیں :

قلم ہی رازِ مشتاقاں میں ہے گا ایک نا محرم

والسلام ۔

پھر خط کو لفافہ کر کے اپنی چشمِ سرمہ سائے نم ناک کو بجائے مہر اُس پر رکھا ۔ اس کے بعد سمن رو پری کے ہاتھ میں دیا اور زبانی پیغام باشتیاقِ تمام حد سے زیادہ کہ دیے ۔

آخر وہ رخصت ہوئی اور بکاولی کے پاس آن کی آن میں پہنچی، جوابِ نامے حوالے کیا اور زبانی بھی جو احوال تھا سو سب کہ سنایا۔

# تیرھویں داستان

## تاج الملوک کے جانے کی بکاولی کے پاس اور قید ہونے میں بکاولی کے

القصہ بکاولی نے تاج الملوک کا اشتیاق اپنے سے دونا پایا اور صبر و قرار طرفین کا بغیر وصال کے محال نظر آیا ۔ سمن رو سے کہا کہ حمالہ کو جلد حاضر کرو ۔ وہ سنتے ہی دوڑی ، پل مارتے ہی جا پہنچی ۔ حمالہ اُس کو مضطرب دیکھ کر پوچھنے لگی ''اے بہنا ! خیر ہے ، ایسی گھبرائی ہوئی کیوں آئی ہو ؟''

وہ بولی ''خیریت ہے ، شہزادی نے تم کو یاد فرمایا ہے ، دیر نہ کرو شتابی چلو''۔ حمالہ یہ سنتے ہی ہڑ بڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور غیر وقت کے بلانے سے بید کی طرح کانپتی ہوئی آئی ۔

کیا دیکھتی ہے کہ بکاولی کی نرگسِ چشم فراقِ یار سے بیمار ہے اور ہر مژہ فوارے کے مانند اشک بار ہے ۔ ماتم زدوں کی صورت بنائے اس عشرت کدے میں بیٹھی ہے ۔ آداب بجا لا کر سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر کہنے لگی '' اے سمن چمنِ نشاط و اے نسترن گلبنِ انبساط ! تیرا غنچۂ دل ایسا کیوں تنگ آیا جو تو نے اپنا یہ رنگ بنایا ؟ کاہے کو شبنم کی طرح روتی ہے، کس لیے پھول سے مکھڑے کو گرم آنسوؤں سے دھوتی ہے، تیری بلا میرے جی کو لگے ، تو ہمیشہ ہنسی خوشی رہے ، خدا کے واسطے کچھ بات کر ۔ بول ، اپنے دل کے بھید کو مجھ پر کھول ''۔

یہ سن کر بکاولی نے کہا ''ڈھیٹھ دلالہ ! اتنی باتیں کیوں بناتی ہے ؟ جان بوجھ کر بھولی ہوئی جاتی ہے ۔ یہ تیری ہی آگ لگائی اور بلا لائی ہوئی ہے ۔ ان ستّے بازیوں سے ہاتھ اٹھا اور اپنی لگائی کو بجھا ۔ یہ کرتوت تیرے داماد کا ہے یا کسی اور کا ؟ اور اس کو تو نے یہاں تک پہنچایا ، یا اور کوئی لایا ؟ غرض میرے پردۂ ناموس میں رخنہ اس کے ہاتھ سے پڑا اور ننگے کھلے اس نے مجھے دیکھا ۔ اگر اپنا بھلا چاہتی ہے تو جلد جا اور اسے مجھ تک لا ''۔

حمالہ یہ سن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تم نے اتنی ہی بات کے واسطے رو رو کر منہ سُجایا ہے اور اپنا یہ حال بنایا ہے ۔ تم اٹھو ہاتھ منہ دھوؤ، ہنسو بولو ۔ اس کا لانا کتنا کام ہے میں ابھی کان پکڑ لے آتی ہوں اور ایک آن میں تم سے ملاتی ہوں ۔

آخر وہ لنکا شرقستان کی طرف دوڑی گئی ۔ بات کی بات میں

تاج الملوک پاس آ پہنچی اور مسکرا کر کہنے لگی ''اُٹھ رے پروانے ! اُڑ چل، تجھے تیری شمع نے یاد کیا ہے''۔

یہ سنتے ہی شہزادہ بے اختیار اُس کے پاؤں پر گر پڑا ۔ حمالہ نے اُس کا سر اُٹھا کر چھاتی سے لگایا ۔ پھر کاندھے پر بٹھا کر بکاولی کے ملک کا رستہ لیا ۔

اس اثنا میں جمیلہ خاتون کے کان میں کہیں یہ بھنک پڑی کہ تمھاری بیٹی بروگن سی بن گئی ہے ۔ شاید کسی آدم زاد پر وہ پری زاد دیوانی ہوئی ہے اور اس کے عشق میں ایک جوگ سادھا ہے ۔

اس بات کی تحقیق کرنے کے واسطے وہ بکاولی کے پاس آئی ، اور آثار عشق کے اُس میں دیکھ کر بہت جُھنجھلائی اور اپنا منہ پیٹ کر بولی ۔ ''اری کواری تھتھکاری تو اتنی ہی سی ناپید ہو، یہ کس کے پیچھے بروگ لیا ہے اور کس لیے یہ جوگ سادھا ہے ؟ پریوں کا ننگ و ناموس تو نے کھویا اور کل کا نام ڈبویا ''۔

اُس نے یہ باتیں سن کر کانوں پر ہاتھ دھرا اور صاف مُکر گئی ، قسمیں سخت سخت کھانے لگی ، ماں کے پاؤں پر گر پڑی اور کہنے لگی ''میں نے تو آج تک عشق کا نام نہیں سنا ، اور آدم زاد کو خواب میں بھی نہیں دیکھا ۔ سچ بتاؤ کس نے یہ طوطوا باندھا اور تم سے کس نے کہا ، نہیں تو میں اپنا خون کروں گی اور اس بات پر جان دوں گی''۔

یہ حالت اُس کی دیکھ کر ماں ہی تو تھی ، دل میں پگھل گئی مگر ظاہر میں رُکھائی سے بولی ''چپ رہ ، چل اے خندی چھنال، ٹھٹھولے مت کر ، ٹسوے مت بہا''۔

اتنے میں حمالہ اُس مشتاق کو وہاں لے کر پہنچی ۔ سمن رو پری تو محرمِ راز تھی ، وہیں اس نے بکاولی سے اشارہ کیا اور بتایا

کہ وہ مسافر بھی آن پہنچا ۔ شہزادی نے بھی اشارے سے کہا کہ ایک مکان محفوظ میں چھپا رکھو ۔

غرض پہر رات گئے تک تو بکاولی چار ناچار ماں کے پاس بیٹھی رہی ، ندان وہ پلنگ پر جا کر سو رہی ۔ بکاولی نے دیکھا کہ خوب غافل ہو گئی ۔ وہاں سے اٹھی اور دبے پاؤں چلی ۔ دل خوف سے دھڑکتا تھا اور جی شوق سے پھڑکتا تھا ۔

قصہ مختصر اسی صورت سے شہزادے کے پاس پہنچی ، اس کی نگاہ جوں ہی اس سراپا ناز پر پڑی صبر و قرار و ہوش و خرد جاتا رہا ، غش کھا کر گر پڑا ۔ تب تو یہ ہڑ بڑا کر دوڑی ، اس کا سر اٹھا کر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا[1] ۔ اس غنچۂ دھن کی بو کہ گلاب سے بہتر تھی سونگھتے ہی شہزادے کے دماغ میں قوت آ گئی ۔ ہوش میں آیا ، آنکھیں کھول دیں اور اپنے سر کو اس زہرہ جبین کے زانو پر دیکھا ، کوکب بخت کو اوج پر پایا ، خوش و خرم اٹھ بیٹھا ۔ پھر تو پیار کی آنکھیں طرفین سے پڑنے لگیں ، یہاں تک کہ ٹکٹکی بندھ گئی ۔ آخر شرابِ شوق کا پیالہ چلنے لگا ، نشۂ اشتیاق دونوں کو چڑھا ، پردۂ حجاب بیچ سے اٹھ گیا ، چالاکی اور بے باکی کا بازار گرم ہوا[2]:

هزار افسوس پھر یہ چرخ پُر زور
کرے گا مُشتری سے ماہ کو دور
جہاں دو شخص بیٹھے مل کے اک جا
وہیں سنگِ جدائی اس نے پھینکا
جو دے ٹک دل میں نورِ آشنائی
تو بخشے اس کو سو داغِ جدائی

---

۱ - یہاں سے کچھ عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔
۲ - یہاں سے کچھ عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔

غلط ہے یہ ، کہاں اس میں وفا ہے
کہاں میں اس کے بس تیرِ جفا ہے

اتفاقاً جمیلہ خاتون آدھی رات کے وقت سوتی سوتی چونک پڑی ۔ چاندنی کی بہار سے باغ بھی اس وقت نُور باغ بن رہا تھا ۔ بے اختیار اُٹھ کھڑی ہوئی اور سیر کرنے لگی۔ ناگاہ اس جگہ جہاں وے دونوں خوابیدہ بخت لیٹے ہوئے بے خبر سوتے تھے ، جا نکلی ۔ اس حالت کو دیکھ کر اس کی آتشِ غیرت کا شعلہ بھڑکا ، غصہ روکا نہ گیا ۔ ندان تاج الملوک کو مانند سنگِ فلاخن صحرائے طلسم میں پھینکا اور بکاولی کے گلِ رخسار کو طمانچوں سے گلِ ارغوان بنا دیا ۔ اس کے بعد گلستانِ ارم میں کہ اس کے باپ کا تخت گاہ تھا اپنے ساتھ لے گئی اور جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا فیروز شاہ سے کہا ۔

اس نے کتنی پریاں خوش بیان ، چرب زبان اس شمع رُو کی مصاحبت میں مقرر کیں کہ اس کو نصیحت کیا کریں اور انسان کا نقشِ الفت اس کی لوحِ دل سے دھویا کریں ۔ چنانچہ وے اس کام میں دن رات مشغول تھیں لیکن بکاولی کی عشق کی آگ دبی دبائی ان کی باتوں سے سلگ اُٹھتی تھی ، شعلۂ اشتیاق دونا بھڑک جاتا تھا ۔ دن تو ہر کسی کے ساتھ بیٹھ اُٹھ کر کاٹتی تھی اور رات بھر یار کے خیال میں اکیلی جاگتی تھی اور یہ غزل اپنے حسبِ حال پڑھتی تھی ۔

## غزل

کوئی نہ میری طرح بھی ہو مبتلائے فراق
تمام عمر نہ سر سے گئی بلائے فراق
غریب و عاشق و بیدل ، فقیر و سرگرداں
اُٹھا چکے ہیں سبھی رنجِ داغہائے فراق

همیشہ سینۂ سوزاں سے شعلے اُٹھتے ہیں
دل و جگر کو جلاتے ہیں داغہائے فراق
فراق کو تری فرقت کا مبتلا یہ کروں
کہ خوب خونِ جگر روئیں دیدہائے فراق
کدھر فراق ، کہاں میں ، کہاں وہ رنج و تعب
فلک کے ہاتھ سے اب ٹوٹ جائے پائے فراق
میں داد پاؤں کہاں، کیا کروں، کہوں کس سے؟
فراق کو بھی کوئی ہے جو دے سزائے فراق
ملے فراق مجھے گر تو جان سے ماروں
سرشکِ دیدہ سے پھر دوں میں خوں بہائے فراق
یہ بیدلی ہے کہ حافظ کے اور مرے مُنہ سے
برنگِ مرغِ سحر نکلی ہے صدائے فراق

جب پریوں نے اس کے مزاج میں دن بدن سودا بڑھتے پایا ، جانا کہ عشق نے اُس کے دل میں گھر بنایا، ناچار ہو کر فیروزشاہ سے عرض کیا کہ ہم نے اپنا بہتیرا مغز پھرایا مگر فائدہ کچھ نہ پایا ۔ وہ کسی طرح نہیں سمجھتی، پتھر کو جونک نہیں لگتی ۔ خیر شرط تھی سوکی ، آگے جو ارشاد ہو ۔

فیروز شاہ نے اس ماجرے کو سن کر جانا کہ بیٹی ہاتھ سے جا چکی ، نصیحت مطلق نہیں سنتی ۔ بکاولی کو طلسمات میں قید کیا اور اُس سیم تن کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر کو بھر دیا ۔

# چودھویں داستان

## تاج الملوک کے دریائے محیط میں پڑنے کی اور سلامت پہنچنے کی وہاں سے بیابان میں اور تبدیل ہو جانے میں صورتِ اصلی کے

کہتے ہیں کہ جب جمیلہ خاتون نے شہزادے کو ہوا پر پھینکا وہ ایک دریائے عظیم الشان میں جا پڑا اور اس کے طلاطم سے تہ و بالا ہونے لگا ۔ کبھی موتی کے مانند نیچے جاتا اور کبھی کفِ دریا کی طرح پانی پر تیرتا پھرتا ۔

چند روز کے بعد کنارے پر پہنچا ۔ سچ ہے کہ عاشقوں کی جان تلک عزرائیل ملک الموت کا ہاتھ یک بیک نہیں پہنچتا اور موت کا پنجہ اُن کے مُرغ روح کی گردن نہیں مروڑ سکتا ۔ کوئی رمق جانِ بے قرار باقی رہی تھی ، تری سے خشکی میں آیا ، آفتاب کی گرمی سے ہاتھ پاؤں کھلے ، حرکت کے قابل ہوئے اور بدن میں زور پیدا ہوا ۔ اُٹھ کر ذرا آگے بڑھا ۔

سامنے ایک جزیرہ سا نظر آیا ، اس میں جا کر وارد ہوا ۔ اقسام اقسام کے میوہ دار درخت اس میں تھے ، ادھر اُدھر پھرنے لگا ۔ اتنے میں ایک ایسا باغ نظر آیا کہ اس کے درختوں کے پھل آدمیوں کے کلّے تھے ۔ یہ جو اُن سے دو چار ہوا وہ کھل کھلا کر ہنس پڑے ، پھر سب کے سب زمین پر گر پڑے ۔ ایک ساعت کے بعد اور کلّے ان شاخوں میں پیدا ہوئے ۔

شہزادہ یہ تماشا خدا کی قدرت کا دیکھ کر نہایت حیران ہوا ، بلکہ ڈرا اور وہاں سے آگے بڑھا ۔ ایک باغ انار کا ملا ، اس میں ہر ایک انار گھڑے کے برابر تھا ۔ تاج الملوک نے ایک انار جو توڑا

اس میں سے چھوٹے چھوٹے پرند خوش رنگ نکل آئے، پھر سب کے سب چڑیوں کی طرح اڑ گئے، شہزادہ صنعت خالق کی دیکھ کر اور بھی دنگ ہو گیا۔

علیٰ ہذالقیاس ایسے ہی ایسے عجائب اور غرائب چند روز تک دیکھا کیا۔ غرض اس سر زمین پر جابجا ایک نیا ہی تماشا نظر آتا، کسی طرح وہاں سے رہائی نہ پاتا تھا۔

ایک دن نہایت تنگ ہو کر ہر طرف سے لکڑیاں جمع کیں، پشتارا باندھا، پھر خدا کا نام لے کر دریا میں ڈال دیا اور آپ اس پر جا بیٹھا۔ کئی روز کے بعد وہ ایک کنارے پر جا لگا۔ یہ اتر کر آگے چلا، ایک بیابانِ ہول ناک میں جا کر وارد ہوا۔ شام کے وقت درندوں کے ڈر سے درخت پر چڑھ گیا۔

پھر رات ہو گئی، ایک سنّاٹے کی آواز دَدھن کی طرف سے اس کے کان میں پہنچی۔ ہر چند شہزادے نے داھنے بائیں دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ آخرش ایک اژدھا پہاڑ سا نظر آیا اور اُسی درخت کے نیچے کہ جس پر شہزادہ تھا، آیا۔ اُس کی صورت دیکھنے سے اس کے تو حواس اُڑ گئے، درخت کی ڈالی سے لپٹ کر دم بخود ہو گیا۔

ایک ساعت کے بعد اژدھے نے ایک کالا سانپ اپنے منہ سے نکالا اور اس نے ایک مَن آفتاب سا چمکتا ہوا اُگل کر درخت کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی روشنی سے چار کوس کے عرصہ تک جتنے جنگل پہاڑ تھے روشن ہو گئے اور وحوش و طیور اس کے آگے آ کر ناچنے لگے۔ آخر مدھوش ہو کر گر پڑے۔ وہ ان کو دم کی کشش سے کھینچ کھینچ کر نگلنے لگا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ اس کے بعد سانپ مَن کو نگل گیا اور وہ سانپ کو لے کر جس طرف سے آیا تھا اُس طرف کو چلا گیا۔

شہزادے کے جی میں یہ لہر آئی کہ ایسی تدبیر کیجیے کہ جو یہ مَن ہاتھ لگے ۔ عقل دوڑانے لگا ، آخر سوچتے سوچتے صبح ہو گئی ، پھر دریا کی طرف گیا اور وہاں سے ایک بڑا سا لوندا کیچڑ کا اٹھا لایا اور شام کے وقت اپنے درخت پر چڑھ گیا ، اسی طرح بیٹھ رہا ۔

اژدھا بھی اپنے وقت معیّن پر آ پہنچا اور بدستور سانپ کو منہ سے نکالا ، اور اس نے مَن کو ۔ شہزادہ گھات میں بیٹھا ہی تھا ، اس حکمت سے اس گل حکمت کا لوندا مَن پر ڈالا کہ گل حکمت کر دیا ۔ تمام اندھیرا ہو گیا ، ہاتھ سے ہاتھ سوجھنے سے رہ گیا ۔ اژدھا اور سانپ سر پٹک پٹک مر گئے ۔

شہزادہ نور کے تڑکے درخت سے اترا اور مہرۂ نورانی کیچڑ سے نکال کر اپنی کمر میں باندھا اور آبادی کی توقع پر آگے چلا ۔

تمام دن دشت پیمائی اور صحرا نوردی میں کاٹتا تھا ، جب رات ہوتی تھی کسی درخت پر چڑھ کر بیٹھ رہتا تھا ۔ غرض دن رات اسی طرح بسر کرتا تھا ۔

اتفاقاً ایک رات کو یہ جس درخت پر بیٹھا تھا ، اس پر ایک بولتی ہوئی مینا کا آشیانہ تھا ۔ وہ اپنے بچوں کو اکثر کہانیاں نقلیں سنایا کرتی تھی اور ہر ایک فن کی گھاتیں بتایا کرتی تھی ، اس لیے کہ کان پڑی بات ایک نہ ایک دن کام آ رہتی ہے ۔

اس رات بچوں نے مینا سے کہا ”اے اماں جان ! کوئی بات اس بیابان کی تو کہو ؟“

مینا بولی کہ اس جنگل میں گنج بے شمار جابجا گڑا ہے ۔ اور اس کے سوا یہاں سے دکن کی طرف ایک حوض کے کنارے ایک بڑا درخت ہے کہ اس کو سراج القرطب کہتے ہیں ۔ اگر

کوئی اس کے پوست کی ٹوپی بنا کر پہنے تو وہ کسی کو نظر نہ آئے اور وہ سب کو دیکھے ، لیکن اس تک کوئی پہنچ نہیں سکتا کیوں کہ اس کا ایک بڑا سانپ نگہبان ہے ۔ اس پر تلوار اور تیر کچھ کارگر نہیں ہوتا ۔

بچوں نے مینا سے پوچھا کہ پھر کس طرح کوئی وہاں پہنچے ؟

مینا نے کہا ''ایسا کوئی جواں مرد ہو کہ گھبرا نہ جائے اور ہمت باندھے ہوئے اس حوض کے کنارے تک آپ کو پہنچائے ۔ وہ سانپ لپک کر جب اس پر آئے وہ حوض میں کود پڑے ، فوراً اس کی صورت کوّے کی ہو جائے گی ۔ اس کا اندیشہ نہ کرے اور اڑ کر اس درخت کی پچھم طرف کی ڈالی پر جا بیٹھے ۔ اس میں کتنے سبز اور کتنے لال پھل لگے ہیں ۔ اگر ایک لال پھل توڑ کر کھا جائے تو پھر اصلی صورت پر آ جائے ۔ اور سبز پھل کی تاثیر ہے کہ جو اس کو سر پر رکھے تو کوئی حربہ بدن پر اثر نہ کرے ۔ اگر کمر میں باندھے تو ہوا پر اڑتا پھرے ۔ اور اس کے پتوں کا خواص یہ ہے کہ زخم پر انہیں رکھے تو فوراً بھر آئے ۔ اگر اس کی لکڑی ہزار من لوہے کے قفل کو ذرا چھوائے تو اسی وقت کھل جائے ۔

تاج الملوک یہ عجیب و غریب باتیں سن کر حد سے زیادہ اس درخت کا مشتاق ہوا ۔

صبح ہوتے ہی اس پتے پر چلا ۔ بہر صورت آپ کو اس حوض تک پہنچایا ۔ سانپ بھی اس کو دیکھتے ہی لپکا ، مگر شہزادہ مطلق نہ جھجکا ، حوض میں کود پڑا ۔ پھر کوّا بن کر اس درخت کی میوہ دار ڈالی پر جا بیٹھا اور ایک لال پھل کھا کر اپنی اصلی صورت پر آ گیا ۔ پھر اس کے بعد سبز پھل توڑ کر کمر میں باندھے اور ایک لکڑی بھی لاٹھی کے موافق لے لی ۔ پھر تھوڑی

سی چھال کہ جس میں ٹوپی بنے اور کچھ پتے لے کر وہاں سے اڑا ۔

چند روز کے بعد جنگل سے باہر نکلا ، آثار آبادی دکھائی دیے ۔ وہاں ایک نوک دار لکڑی لے کر اپنی ران کو چیرا اور کالے کا مَن اس میں رکھ کر وہی پتی زخم پر رکھ دی ۔ فوراً اچھا ہو گیا ۔ پھر وہاں سے آبادی کی راہ لی ۔

# پندرھویں داستان

## پہنچنے میں تاج الملوک کے ایک حوض پر اور اُس میں غوطہ مار کے تبدیل ہونا اُس کی شکل کا

نقل ہے کہ تاج الملوک ایک سنگِ مرمر کے حوض پر جس کے چاروں طرف رنگ برنگ کے پھول پھولے ہوئے تھے، جا پہنچا ۔ وہ سہانی جگہ اور ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر شہزادہ ایک آن سو گیا ۔

جب آنکھ کھلی اور پانی کی صفائی ملاحظہ فرمائی ، ٹوپی اور عصا ایک درخت کے نیچے رکھ کر اُترا اور غوطہ مارا ۔

جوں ہی پانی سے سر باہر نکالا اس مکان اور حوض کو نہ پایا ، بلکہ ایک شہر کے متصل جا پہنچا ۔ اس کے سوا کیا دیکھتا ہے کہ علامت مردی کی جاتی رہی اور صورت عورتوں کی سی نظر آئی ۔ گُل سے رخسار کہ خط سبز سے سبزہ زار تھے، یاسمن کے مانند مُصفّا ہو گئے [1]۔

تاج الملوک اس آفتِ ناگہانی سے نہایت گھبرایا ۔ صبر کے سوا

---

۱ - یہاں کا ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ۔

اور کچھ تدبیر نہ سوجھی ۔ ناچار شکیبائی اختیار کی اور ایک جگہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا ۔

اس میں ایک جوان وہاں آیا ، اُس نے دیکھا کہ ایک عورت نوجوان پاکیزہ رُو نہایت حسین بیٹھی ہے ، اگر حور کہیے تو بجا ہے ۔ غرض نوجوان کا دل اُس پر آ گیا ، پوچھا کہ اے نازنین ! تجھ پر ایسی کیا آفت پڑی ہے جو اس ویرانے میں آ کر بیٹھی ہے ؟

اُس نے کہا ''میرا باپ تاجر تھا ، جہاں تجارت کے واسطے جاتا تھا مجھ کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا ۔ کل اس جنگل میں مع قافلے کے آ کر اُترا ، آدھی رات کو ڈاکا پڑا ، سب مال لُٹ گیا ، وہ رفیقوں سمیت مارا گیا ، ساتھ چھُٹ گیا ، قافلے کے لوگ اپنی جاں لے کر بھاگ گئے ، فقط میں اس ویرانے میں بے کس رہ گئی ۔ اب یہاں نہ کہیں رہنے کا ٹھکانا ہے نہ بیٹھنے کا ، نہ طاقت چلنے کی ہے''۔

جوان نے کہا ''اے نازنین ! اگر تو مجھے قبول کرے تو میں تجھے اپنے گھر لے چلوں اور صاحبِ خانہ بنا کر رکھوں''[1]۔ اس بات پر راضی ہو کر اس کے ساتھ گیا ، جورو بننے کے سوا اور کچھ بن نہ آیا ۔ اس وارداتِ عجیب سے کبھی ہنستا اور کبھی روتا ، ہر طرح سے اپنے دن کاٹتا ۔

اسی اثناء میں اسے حمل نمودار ہوا ، نو مہینے کے بعد لڑکا جنا ۔

چالیسویں روز ایک حوض میں کہ اس کے گھر کے نزدیک تھا جا کے غوطہ مارا ، جوں ہی سر اُٹھایا تو دیکھا نہ وہ سرزمین ہے اور نہ وہ صورت ۔ خدا کی قدرت سے آپ کو ایک حبشی جوان

---

۱ - یہاں کا ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ۔

کی شکل میں دیکھا۔ کہا ''الحمدللہ ! اگرچہ جمال اصلی تو نہیں ملا لیکن عورت سے پھر مرد ہوا''۔

غرض اسی خیال میں تھا کہ ناگاہ ایک عورت حبشن کی سی وضع، اوپر کا ہونٹ اس کی ناک کی پھننگ سے لگا ہوا اور نیچے کا ٹھوڑی کے نیچے پڑا ہوا، کان شانوں تک[1] ، سر کھولے ہوئے، زبان سے ہونٹ چاٹتی ہوئی سامنے سے نمودار ہوئی اور اس کی کمر پکڑ کر پکاری کہ اے بے حمیت تین دن سے لڑکے بھوکے پیاسے مرتے ہیں اور میں تیری تلاش میں سرگرداں پھرتی ہوں ، کہاں چھپ رہا تھا ؟ بھلا جو ہوا سو ہوا ، اب دو تین دن کی لکڑیاں تو لا کہ ان کو بیچ کر لڑکے بالے کھانے کو لائیں۔

تاج‌الملوک نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ خدایا ! کب تک مجھ کو اس عذاب میں گرفتار رکھے گا ؟ ابھی دیو کے ہاتھ سے چھوٹ کر دم نہیں لیا کہ ایک بلا کے پنجے میں پھنسا۔

قصۂ کوتاہ وہ ناپاک کشاں کشاں اپنے گھر لے گئی۔ چار طرف سے لڑکوں نے آ کر گھیر لیا کہ بابا ہمارے واسطے کیا لائے ؟

شہزادہ چپکا ایک ایک کا منہ دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس چڑیل نے ایک کلہاڑی لا کر تاج‌الملوک کے ہاتھ میں دی کہ جا کر لکڑیاں کاٹ لا۔

شہزادہ اس فرصت کو غنیمت سمجھا ، جنگل میں گیا ، لیکن اس طلسمات عجیب کی حالت سے حیران تھا۔ دل میں سوچا کہ دو بار حوض میں غوطہ مارنے سے صورت تبدیل ہو چکی ہے ، تیسری دفعہ بھی امتحان کیجیے اور دیکھیے کہ اب کیسی شکل بنتی ہے۔ پھر ایک حوض میں جا کر غوطہ مارا۔

---

۱ - یہاں کے چند الفاظ بر بنائے کثافت حذف کیے گئے ہیں۔

جب سر نکالا آپ کو بصورتِ اصلی پہلے حوض کے کنارے پر پایا ۔ لاٹھی اور ٹوپی کو بے تفاوت رکھی ہوئی دیکھا ۔ سجدہ شکر کا درگاہِ الٰہی میں بجا لایا اور دل میں ٹھہرایا کہ اب کسی حوض میں غسل نہ کیجیے ، بلکہ ھاتھ بھی نہ ڈالیے ۔ پھر لاٹھی ھاتھ میں لی اور ٹوپی سر پر رکھی ، وھاں سے روانہ ھوا ۔

اے یارگانِ دھر ! حق تعالیٰ نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر اور عظمت کا عصا ھاتھ میں دے کر طلسم گاہِ دنیا میں کہ مزرعِ آخرت ھے ، عاقبت کی تکمیل کے لیے بھیجا ھے ۔ پس انسان کو چاھیے کہ گل و خار اور آب و سراب خوب پہچانے ۔ ھر ایک باغ کے پھول کو نہ سونگھے ، ھر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے کہ یہاں کانٹے گل سے رنگین اکثر ھیں اور سراب بصورتِ آب ادھر اُدھر ھے ۔ اے عزیز ! اگر گوھرِ دنیا کے لینے کو چشمہ و جہان میں غوطہ مارے گا ، مقرر اس کلاہ اور عصا کو کھو دے گا ۔ یہ حکم اس بات پر ھے کہ طالبِ دنیا مؤنث ھیں اور طالبِ مولیٰ مرد ھیں ۔ تیرا پیکرِ معانی جو مانندِ مرد کامل ھے ، بصورتِ زنِ ناقص‌العقل ھو جائے گا ۔ پس اس وقت شکیبائی کے سوا کچھ چارہ نہیں ۔ چاھیے کہ دم بخود ھو کر تو پھر دریائے ذکرِ الٰہی میں غوطہ مارے ۔ اس کے بعد جو سر اُٹھائے گا وھی عصا ھاتھ میں اور وھی ٹوپی سر پر دیکھے گا ۔

# سولھویں داستان

## پہنچنے میں تاج‌الملوک کے دیو سیاہ پیکر کے مکان میں اور ملنے میں بکاولی کی چچا زاد بہن روح افزا سے

نقاشِ سخن اس حکایت کی تصویر صفحۂ بیان پر یوں کھینچتا

ہے کہ جب تاج الملوک نے یہ صدمے اٹھائے، پھر زمین پر پاؤں رکھنا چھوڑ دیا۔ سبز میوے کی قوت سے ہوا میں اڑتا جاتا تھا۔ ایک روز ایسے پہاڑ پر گزرا کہ کوہِ قاف بھی اس کے آگے ایک پشّہ سا نظر آئے۔ اس پر ایک پتھر کی حویلی دیکھی۔

شہزادہ تفتیشِ حال کے لیے اس میں گیا۔ ہر چند پھرا، لیکن ذی حیات کا اثر وہاں نہ دیکھا۔ ہر ایک مکان کو ڈھونڈنے لگا، ناگاہ ایک آوازِ دردناک اس کے کان میں آئی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک عورت خوب حسین کہ جس کی صفائی پر نظر پھسلی جاتی تھی، بلکہ اس کے دیکھنے سے ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ چلی آتی تھی، پلنگ پر لیٹی ہچکیاں لے لے کر روتی تھی۔

شہزادے نے سر سے ٹوپی اتار کر اس سے پوچھا کہ اے آرام جاں اس جوانی کے عالم میں تیری جدائی تیرے عاشق بیدل کے دل پر ایک ستم ہے اور تیرے تریاقِ وصل سے دوری اس کے حق میں سم ہے۔ تو نے اس سے کنارہ کیوں کیا اور داغ فراق کا اس بیچارے مشتاق کے دل پر کس واسطے رکھا؟

اس نازنین کو یہ کلامِ رندانہ سن کر بہت حیا آئی اور اس چھیڑ چھاڑ کی باتوں سے نہایت شرمائی۔ پھر دوپٹے کا آنچل منہ پر لے کر بولی ”ارے تو کون ہے؟ مگر متلاشی عزرائیل کا ہے، جلد یہاں سے بھاگ، نہیں تو مارا جائے گا“۔

تاج الملوک بولا کہ اگر میرے سر کی، جو فی الحقیقت میرے نزدیک ایک بار ہے، تجھے رغبت ہو تو حاضر ہے اور جو کسی دشمن سے ڈراتی ہے تو ہرگز نہیں ڈرتا:

نہیں ڈرتا میں مرنے سے ڈراتی ہے تو کیا مجھ کو
کہ جی پر کھیلنا ہے سہل رندِ لا ابالی کا

بہر حال تو مجھے اپنے حال سے مطلع کر۔

اُس زہرہ جبیں نے سر اٹھا کر کہا ''میں پری ہوں اور میرا نام روح افزا ہے۔ مظفر شاہ تخت نشین جزیرۂ فردوس کا میرا باپ ہے۔ ایک روز میں اپنے چچا کی بیٹی کی عیادت کے لیے کہ اس کا نام بکاولی ہے، گلستانِ ارم میں گئی تھی۔ پھرتے ہوئے ایک دیو سیاہ رو نے راہ میں مجھے پکڑا اور یہاں لے آیا۔ اب مجھ سے نزدیکی کیا چاھتا ہے اور میں دور بھاگتی ہوں۔ اس واسطے مجھ کو نئی نئی طرح سے ستاتا ہے اور ہر روز ایک آفتِ تازہ میرے سر پر لاتا ہے''۔

یہ سن کر تاج الملوک نے پوچھا کہ تیرے چچا کی بیٹی کو کیا مرض ہے؟

اُس نے کہا ''وہ کسی آدم زاد سے عشق رکھتی تھی، ایک مدت کے بعد اُسے بہ ہزار خرابی وہ ملا تھا، ایسا بجوگ پڑا کہ پھر جدا ہو گیا۔ اب اُس کے فراق میں وہ رشکِ لیلیٰ مجنوں کے مانند دیوانی ہو رہی ہے اور اپنی جانِ شیریں کو اُس فرہادِ وقت کے غم میں کھو رہی ہے، کچھ اس کا تدارک ہو نہیں سکتا، اس لیے میرے چچا نے اُس کو قید کیا ہے اور ناچاری سے اُس کی اذیت کا صدمہ اپنے دل پر لیا ہے''۔

اس ماجرے کو سن کر شہزادے کی حالت تغیّر ہو گئی، آنکھیں بھر آئیں، آہیں لب پر آئیں، دل و دماغ میں خلل ہو گیا، چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ روح افزا نے یہ حالت دیکھ کر کہا ''باوجود ان گرمیوں کے موجب آہِ سرد کا کیا ہے؟''

شہزادہ بولا ''میں وہی گرفتارِ بلائے دوری ہوں جس کی مہجوری سے تیرے چچا کی بیٹی کی وہ حالت ہوئی ہے۔ اُدھر اس کا قید میں دل گھبراتا ہے، ادھر میرا آوارگی میں جی جاتا ہے''۔

غرض شہزادے نے اپنا تمام قصہ روح افزا کے رُوبرو کہا۔ وہ

سن کر نہایت متعجب ہوئی اور دونوں کی محبت پر ہزار آفریں کی۔
اس کے بعد کہنے لگی ''اگر میں اس دیو کی قید سے نجات پاتی تو
تیرے جگر کے زخم پر مرہم لگاتی ''۔

شہزادے نے کہا ''اب تجھ کو کون روک سکتا ہے، اس
قید خانے سے ابھی نکل، جس طرف تیرا جی چاہے شوق سے چل۔
اگر اس دیو کا تیرے جی میں ڈر ہے تو دیکھ لیجو ایک ہی حملے
میں اس کا کیا حال کرتا ہوں، لیکن اندیشہ یہ ہے کہ میرے پاس
کوئی حربہ نہیں ''۔

روح افزا نے دیو کا سلح خانہ اس کو بتا دیا۔ پھر وہاں جا
کر ایک تیغا آب دار اٹھا لیا اور اس کے پاس جا کر سراج القرطب
کا عصا پاؤں میں چھوایا، بیڑیاں اس نازنین کے پائے نازک سے کٹ
کر گر پڑیں۔ اس کے بعد دونوں نے جزیرۂ فردوس کی راہ لی۔

چنداں دور نہ گئے تھے کہ ناگاہ ایک آوازِ مہیب پیچھے سے
آئی۔ روح افزا نے کہا ''اے شہزادے ہوشیار ہو! دشمن خونخوار
آن پہنچا''۔

فوراً تاج الملوک نے کلاہ بغل سے نکال کر روح افزا کے سر پر
رکھ دی اور آپ دیو کی طرف متوجہ ہوا۔

دیو بھی سامنے سے آیا، شہزادے نے للکار کر کہا کہ
او لعین! خبردار آگے قدم نہ بڑھانا، نہیں تو ایک ہی ہاتھ میں دو
ٹکڑے کروں گا۔

دیو سن کر بجلی کی طرح تڑپا اور دانت نکال کر بولا
''عجب تماشے کی بات ہے کہ چیونٹی ہاتھی سے مقابلہ کیا
چاہتی ہے اور چڑیا سیمرغ سے لڑا چاہتی ہے۔ مجھے ننگ
آتا ہے کہ مکھی کے خون سے کیوں ہاتھ بھروں اور جس طمانچے
کا زور کوہِ قاف کے منہ کو پھیر دے، ایک مشت خاک پر کیا

ماروں ۔ خیر میری معشوقہ کو مجھے دے اور تو اپنی راہ لے کہ میرا دل اُس شمعِ جمال پر پروانے کی طرح جلتا ہے اور اسی کے سوزِ عشق سے دم بہ دم پگھلتا ہے''۔

شہزادے نے کہا ''اے مردودِ گندہ دھن ! لائق نہیں کہ تو روح افزا کو اپنی معشوقہ کہے ۔ خدا کا خوف کرتا ہوں نہیں تو ابھی تیری زبان کاٹ لوں''۔

دیو نے یہ زبان درازی اور لاف زنی شہزادے کی دیکھ کر دیگ کی مانند آتشِ غضب سے جوش میں آ کر سو من کا پتھر اُٹھا کر شہزادے کی طرف پھینکا ۔ وہ اُس سبز میوے کے زور سے اُچک کر ہوا پر جاتا رہا اور سراج القرطب کا عصا دیو کی گردن پر مارا کہ تمام بدن اس کا کانپ گیا ۔ اس کے بعد غصے سے کہا کہ دور ہو اے لعین ! اب کی بار تو میں نے رحم کیا ، اگر ایک ہاتھ مارتا تو دو ہی کر دیتا ۔

جب دیو نے حریف کو نہایت شہ زور پایا ، ایسا شور مچایا کہ چاروں طرف سے ہزاروں دیو گؤ سر اور فیل تن آ پہنچے اور شہزادے کو گھیر لیا ۔ تاج الملوک نے بھی اسی میدان میں جیسی چاہیے ویسی جوانمردی کی داد دی اور دیووں کی لڑائی بات کی بات میں مار لی :

چلائی یہ تلوار اس نے وہاں
زمیں ہل گئی کانپ اُٹھا آسماں
لڑائی نے ہر سمت گاڑے یہ پاؤں
کہیں صلح کی ہاتھ آئی نہ تھاؤں
کیے قتل اِس نے تو لاکھوں پلید
یہ تیغ اس کی کہتی تھی "ھل من مزید"
وہ انسان دیووں سے ایسا لڑا
کہ مریخ "احسنت" کہنے لگا

گرے خاک پر بسکه وه بے شمار
زمیں هوگئی خون آغشته زار
بہے تھا بدن سے هر اک کے لہو
که تھی کوه پر خون کی آب جو
غرض جو بچے بھاگے پھرتی کے ساتھ
رها کھیت بس شاه زادے کے هاتھ

لیکن تاج الملوک لڑتے لڑتے اور چالاکیاں کرتے کرتے مانده بہت هوگیا تھا غش کھا کر گر پڑا ۔ تب روح افزا نے دوڑ کر جلد سر اٹھا لیا اور اپنے زانو پر رکھا ، گلبرگ سا هاتھ اس کے سینے پر پھیرا اور اپنی بوئے دهن سے که رشکِ غنچۂ گل تھا ، هوش میں لائی ۔ ٹوپی سر سے اتار کر شہزادے کے آگے رکھ دی اور اس کی جواں مردی پر هزار هزار آفرین کی ۔ پھر اٹھ کر جزیرۂ فردوس کی راه لی ۔

جب دونوں شہر کے نزدیک پہنچے ، روح افزا نے تاج الملوک کو ایک باغ میں که اس کا نام بھی روح افزا تھا ، بٹھا کر آپ ماں باپ کی ملاقات کے لیے گئی ۔

انھوں نے اس کے آنے سے دوباره زندگی پائی ، اس کا ماتھا اور آنکھیں چومیں ، پھر سرگزشت پوچھی ۔

روح افزا نے اذیّت دیو ستم گار کی اور مروّت اور جواں مردی شہزادۂ شجاعت شعار کی بیان کی ، لیکن یه نه کہا که بکاولی کا عاشق وهی ہے ۔

مظفر شاه سنتے هی باغ میں گیا اور شہزادے کا شکر احسان به مرتبه بجا لایا ۔ مدارات بہت سی کی ، ایک مسند پاکیزه اور نئی بچھوا دی ، پھر کئی پریاں اور پریزاد اس کی خدمت کے لیے مقرر کر کے اپنے دولت خانے میں آیا ۔

# سترھویں داستان

## خط لکھنا مظفر شاہ کا فیروز شاہ کو روح افزا کے پہنچنے کا اور آنا گل بکاولی کا ماں کے ساتھ اس کی ملاقات کے لیے

راویٔ شیریں زباں یوں بیان کرتا ہے کہ مظفر شاہ نے ایک خط روح افزا کے پہنچنے کا فیروز شاہ کو لکھ بھیجا۔ وہ اس کو پڑھ کر نہایت شاد ہوا اور فرمایا کہ جمیلہ خاتون روح افزا کے دیکھنے کو جلد جائے اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے۔

بکاولی نے جو ماں کے جانے کی خبر سنی، کہلا بھیجا ''میں بھی بہن کی ملاقات کو تمھارے ساتھ چلوں گی''۔

جمیلہ خاتون نے اس بات کو غنیمت جانا، اس واسطے کہ شاید وہاں جانے سے غنچۂ دل کھلے اور مکاناتِ مختلفہ کی سیر سے زنگِ کدورت آئینۂ دل سے جائے۔ پاؤں کی زنجیر کاٹ دی اور اپنے ساتھ لے کر جزیرۂ فردوس کی راہ لی''۔

مظفر شاہ نے جب سنا کہ جمیلہ خاتون مع بکاولی آتی ہے۔ روح افزا کو استقبال کے لیے بھیجا، اس سے وہ دو چار ہوئی روح افزا نے چچی کو جھک کر سلام کیا اور قدموں پر گر پڑی۔ اس نے اٹھا کر چھاتی سے لگایا، آنکھیں چومیں، بلائیں لیں۔ پھر دونوں بہنیں آپس میں دیر تک گلے ملیں، مبارک سلامت کی صدا طرفین سے بلند ہوئی۔ پھر روح افزا نے مسکرا کر بکاولی کے کان میں کہا ''تمھیں بھی اپنے چاہتے حکیم کا آنا مبارک ہو اب اس کو شوق سے نبض دکھاؤ اور شربت وصل پیو''۔

یہ سن کے ماں کے خوف سے اس وقت تو خاموش ہو رہی ، پوچھ نہ سکی پر دل ہی دل میں کچھ شاد کچھ مغموم ہوئی ۔ القصّہ روح افزا دونوں کو اپنے گھر بہ آئین شائستہ لائی ۔ مظفر شاہ اور حسن آرا بھی جمیلہ خاتون سے ملے ، نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے ۔ پھر اِدھر اُدھر کا مذکور نکلا ، دروازہ گفتگو کا کھلا ۔ آخرش روح افزا کی رہائی کا بھی مذکور درمیان میں آیا اور اس نے اس کو اور ہی ڈھب سے ادا کیا ۔

غرض جمیلہ خاتون ایک رات رَہ کر دوسرے دن رخصت ہوئی ۔ روح افزا نے اس وقت عرض کی کہ میں چاہتی ہوں چند روز بکاولی میرے پاس رہے ۔ شاید یہاں کے رہنے سے اس کے آئینۂ طبع کا زنگِ کدورت چھٹے ، نورِ عقل اس میں نمایاں ہو اور تاریکئی سودا پنہاں ۔

جمیلہ خاتون نے کہا ''اچھا کیا مضائقہ ہے'' چنانچہ ایک ہفتے کی اجازت دی اور آپ گلستان ارم کی راہ لی ۔

روح افزا بکاولی کو اکیلا لے کر بیٹھی ، باتیں عشق آمیز کرنے لگی ، طول بہت سا دیا ۔ آخر تاج الملوک کے بڑی سوز و گداز سے کچھ کنایہ کیا ۔ بکاولی ہم چشمی کے سبب سے شرمندہ ہوگئی اور مارے حیا کے پانی ہو گئی ۔ پھر غصے سے منہ پھیر لیا بولی ''وَاہ وَاہ بوا ! مجھے یہ ہنسی خوش نہیں آتی اور ایسی چھیڑ چھاڑ نہیں بھاتی، یہ تم اپنی بیتی ہوئی میرے پردے میں سناتی ہو ۔ میں نے جانا کہ تم اس دیو کا دل ہی دل میں غم کھاتی ہو ۔ یہ کہاوت تم پر بھپ گئی ۔ مثل: ''ہاتھوں مہندی پاؤں مہندی اپنے لچھن اوروں دیندی'' بس زیادہ بیہودہ مت بکو ، قسم ہے حضرت سلیمانؑ کی میں ابھی اپنے گھر چلی جاؤں گی ۔ پھر کبھی تمھارے پاس نہ آؤں گی ۔ بھلا شمع فانوس کو پروانے

سے کیا نسبت ، اور غنچۂ سربستہ کو بلبل سے کیا مناسبت ، کہاں پری کہاں انسان ، یہ تمھارا صرف گمان ہے"۔

روح افزا نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح ہاتھ نہیں آتی اور کسی صورت دھوکا نہیں کھاتی ، کہنے لگی "اے بہن یہ تو میں نہیں کہتی کہ تو کسی کو چاہتی ہے یا خدانخواستہ کسی کے درد سے کراھتی ہے ، بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ تو شمع فانوس ہے ، کوئی پروانہ جو آپ سے آ کر جلے تو تجھ کو اس کے جلنے سے کیا ۔ اگر ہزاروں گلِ نیلوفر دریائے عشق میں ڈوبیں سورج کو کیا پروا"۔

غرض اسی وضع کے اور ذکر نکال کر ، اس کے غصے کو ٹال کر ، بھلاوے میں ڈال کر ، ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس مکان کی روش پر کہ جس میں تاج الملوک رہتا تھا ، آ کر پھرنے لگی ۔

اتنے میں آواز دردناک اس مریض عشق کی بکاولی کے کان میں پہنچی ، سن کر بےچین ہو گئی ، آخر رہ نہ سکی ۔ روح افزا سے پوچھا یہ کس کی صدا ہے ؟

اس نے کہا " ایک شکار نو گرفتار نالاں ہے ۔ آ تجھے اس کا تماشا دکھاؤں اور اچھی طرح سے اس کی آواز سناؤں"

غرض بکاولی کو دھوکا دے کر شہزادے کے آگے لا کر کھڑا کر دیا ۔

تاج الملوک سے دو چار ہوتے ہی اختیار کی بھاگ اس کے ہاتھ سے چھٹ گئی اور جنس صبر و قرار کی لٹ گئی ۔ وہ بھی آتشِ شوق کا جلا ہوا صبر نہ کر سکا ، دوڑ کر اس چشمۂ خوبی سے بے اختیار لپٹ گیا ۔ بکاولی نے بھی دامن حیا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ اس کی گردن میں حائل کر دیے ۔ پھر تو دونوں جلے ہوئے آتشِ فراق کے دل کھول کر روئے اور غمِ جدائی کے

دفتر اپنے اپنے خوب دھوئے۔

روح افزا یہ حالت دیکھ کر ٹھٹھا مار کر ہنسی اور کہنے لگی ''بہنا! تو تو ابھی تک دنیا کی لذت سے واقف نہیں، بیگانے مرد کا بھی منہ آج تک نہیں دیکھا، پھر اس نامحرم مرد وے کے گلے لگ کر زار زار کیوں روتی ہے اور اس کے غم سے اپنا ننھا جیوڑا کس لیے کھوتی ہے؟ تو نے میرے چچا کا نام ڈبویا اور سارے کنبے کو کلنک لگایا''۔ یہ سن کر بکاولی نے کہا ''اے روح افزا! تو نے میرے سینۂ فگار کے زخم پر مرہم لگایا ہے تو ناخن طعن سے نہ چھیل، اور شربت دیدار پلایا ہے تو زہر ملامت نہ کھلا۔ اب تجھ پر میرا راز بالکل ظاہر ہو گیا اور پردہ کھل گیا۔ میرے حق میں تو جو چاہے سو کر، مختار ہے''۔

القصہ دو عندلیب شیدا اور دو گل رعنا چمن نشاط میں بخوبی ہنسے بولے اور اپنے اپنے اشتیاق کے ہر ایک نے دفتر کھولے[1]۔

آخر ایام وصل کے آخر ہوئے، بکاولی کی روانگی کا دن آ پہنچا۔ تاج الملوک پھر بستر بے قراری پر گرا اور ماہیٔ بے آب کی مانند تڑپنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر اس نے بھی چاہا کہ حیا کے پردے اٹھا کر ویسا ہی اپنا حال بنائے کہ روح افزا بولی ''زنہار اے بہن یہ حرکت نہ کرنا، ناحق رسوائی ہوگی اور جگ ہنسائی۔ چند روز اور صبر کر، انشاءاللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں تجھ کو تیرے چاہنے والے سے بخوبی ملاتی ہوں اور شربت وصل دن رات پلاتی ہوں۔ زمانہ فراق کا اب تھوڑا رہا ہے اور روز وصال کا نزدیک آ پہنچا ہے۔ خاطر جمع رکھ، ماں باپ کی

۱۔ یہاں سے کچھ عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے۔

فرماں برداری کر اور جناب الٰہی میں گریہ و زاری ، پھر دیکھ کر پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور میری سعی اور کوشش کیا دکھاتی ہے ''۔

بکاولی یہ سن کر چار و ناچار گلستانِ ارم کو گئی اور ماں باپ کی خدمت میں مشغول ہوئی۔

# اٹھارویں داستان

## روح افزا کے ظاہر کرنے میں ماں سے تاج‌الملوک اور بکاولی کے عشق کی کیفیت اور جانا اُس کا جمیلہ خاتون کے پاس اُن دونوں کے بیاہ کی درخواست کے لیے

کہتے ہیں کہ جب بکاولی روح افزا سے رخصت ہو کر اپنے گھر گئی ، روح افزا نے شہزادے اور بکاولی کے عشق کی تمام کیفیت اپنی ماں سے ظاہر کی۔

حسن آرا یہ سن کر دیر تک گریبانِ تفکر میں سر ڈالے رہی ، پھر سوچ کر بولی ''اگرچہ ناتا رشتہ آدمی کا پری سے ہونا نہایت محال ہے، لیکن اُس نے میری بیٹی کو قیدِ شدید سے چھڑایا ہے، مجھ کو بھی لازم ہے کہ میں بھی اس کو زندانِ غم و الم سے چھڑاؤں اور مطلب کو پہنچاؤں ''۔

یہ کہ کر اسی وقت ایک مصوّرِ شبیہ کش ، چالاک دست کو بلا کر شہزادے کی تصویر کھچوا کر گلستانِ ارم میں لے گئی اور فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے ملی ، بلکہ چند روز وہیں رہی۔

ایک دن کا مذکور ہے کہ جمیلہ خاتون سے باتیں کرتے کرتے مطلب کی بات پر آئی اور اس وضع سے کہنے لگی۔ ''اے بہن! اگر کوئی غنچۂ رنگین آب و ہوا کے فیض سے کسی شاخ میں لگے اور اس کے پاس بلبل نہ بیٹھے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور اگر آبدار موتی کسی کے ہاتھ لگے اور وہ اس کو رشتے سے الگ رکھے تو عقل سے باہر ہے۔ کب تک تو بکاولی کو کِوارا رکھے گی۔ بہتر یہی ہے کہ اس زہرہ جبیں کو کسی ماہ رُو کے پہلو میں بٹھا اور اس غنچۂ خوبی کو مونس نسیمِ بہار کا بنا ''۔

جمیلہ خاتون نے یہ سن کر کہا ''اے حسن آرا! تو نے سنا ہوگا کہ اس نے ایک آدم زاد سے دل لگایا ہے اور اسی کا سودا اس کے سر میں سمایا ہے۔ اپنے ہم جنس کو نہیں چاہتی اور غیر کے واسطے دن رات کراہتی ہے۔ اس امر میں ناچار ہوں، بزرگوں کا چلن کیوں کر چھوڑ دوں اور اس علامہ کی خواہش سے قدیم سلسلے کو کس طرح توڑ دوں؟ اپنے کفو کے ہوتے غیر قوم میں کس نے کیا ہے جو میں کروں۔ پری کا آدمی سے کبھی بیاہ ہوا ہے کہ میں بیاہوں؟''

حسن آرا نے کہا ''سچ کہتی ہے، لطیف کو ہم صحبت کثیف کرنا البتہ دانائی سے بعید ہے، لیکن تو حضرتِ انسان کے کمالوں سے اگر واقف ہوتی، ایسے ایسے خیالِ فاسد دل میں ہرگز نہ لاتی۔ سن اے نادان! بشر خلقتِ یزداں میں اور اس کی صنعت بے پایاں میں اشرف و افضل ہے، اس کے مرتبوں اور درجوں کی انتہا نہیں، وہ ایک نہنگ ہے دریا کا بہنے والا اور ایک قطرہ ہے حقیقت میں دریا، جامع ہے کمالاتِ عالمِ کونی اور الٰہی کا، یعنی مادیات اور مجردات کا، اور مجمع ہے مراتبِ بندگی اور بادشاہی کا:

انسان کی ذات برزخِ جامع ہے بے گماں
ظلِ خدا و صورتِ خلق اس میں ہے عیاں

جان کہ صوفیہ ہر ایک کو عالمِ ارواح کے نوعوں میں سے باری‌تعالیٰ کے ایک ایک اسم اور صفت کا مظہرِ خاص جانتے ہیں اور اس عالم صورت کو کہ حواسِ ظاہری اور باطنی سے نسبت رکھتا ہے اُس عالم کا سایہ ۔ پس ہر ایک ذرہ فرد کائنات سے روشن ایک تجلی ابدی ، اور سراب ایک قطرہ سرمدی سے ہے :

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس عالم میں انسان کہ سارے افراد کون و فساد اس کے لازمی میں خدا کے سارے اسموں اور صفتوں کا مظہر ہے اور اُس کی تجلیاتِ خاص کا مقام کلام فضیلت انسان میں دریائے بے پایاں ہے ، اسی قدر پر اکتفا کیا ۔ اے جمیلہ خاتون ! وہ اصل ہے اور ہمارا وجود طفیلی ، وہ مخدوم اور ہم خادم ۔ زہے شرف کہ شریف ہم سے ارادہ وصلت کا کرے اور مخدوم خادم سے قصد قرابت کا کرے "۔

القصہ اس آب و تاب سے انسان کی تعریف کر کے فضیلتوں کا بیان کیا کہ اس کا شعلۂ غضب بجھ گیا ، کہنے لگی "اچھا اس بد اطوار بد کردار کا ذکر نہ کیجیو کہ اپنی بیٹی اُسے ہرگز نہ دوں گی اور ایسے خائن کو اپنی دامادی میں کبھی نہ لوں گی ۔

آخر حسن آرا نے تاج‌الملوک کی تصویر جمیلہ خاتون کے ہاتھ میں دی اور کہا "یہ تصویر شرقستان کے شہزادے کی ہے ۔ دیکھ ایسا نقشہ قلمِ تقدیر نے صفحۂ عالم پر آج تک نہیں کھینچا اور اس پرداز کا چہرہ ورقِ جہان پر دوسرا نہیں بنایا ۔ اُس یاسمینِ گلشنِ محبوبی کو اس گلِ خوبی کے ساتھ ملا اور اس زہرۂ فلک حسن کو اُس ماہِ برجِ سعادت کے پہلو میں بیٹھا "۔

الغرض وہ چار و ناچار راضی ہوئی ۔ کہنے لگی "اُس کو

کہاں ڈھونڈوں اور کس تدبیر سے لاؤں ؟"

حسن آرا نے کہا "تم خاطر جمع سے شادی کی تیاری کرو۔ اس کو فلانی تاریخ دولہا بنا کر برات سمیت یہاں لے آتی ہوں"۔

یہ کہ کر رخصت ہوئی ، پل مارتے ہی جزیرۂ فردوس میں آ پہنچی اور یہ ذکر مِن و عَن شہزادے کے آگے کیا ، پھر وصل کا بھروسا دیا ۔

# انیسویں داستان

## تاج الملوک اور بکاولی کے بیاہ کی

باغبان اس گلستان کا گل اور بلبل کی مواصلت یوں بیان کرتا ہے کہ جمیلہ خاتون نے جو گفتگو کہ حسن آرا میں اور اس میں ہوئی تھی، فیروز شاہ سے جا کر اظہار کی اور تصویر شہزادے کی دکھائی ۔ اس نے سمن رو کے ہاتھ بکاولی کے پاس بھیج دی کہ یہ شرقستان کے شہزادے کی ہے ۔ بالفعل اس زمانے میں ایسا جوانِ حسین کہیں نہیں ، تو کہ آدم زاد کے سودا میں دیوانی ہو رہی ہے اور اپنی جانِ لطیف ایک خاکی کثیف کے پیچھے کھو رہی ہے ، تیری مرضی ہو تو اس کے ساتھ بیاہ کر دوں ؟ میری دانست میں تو نوعِ انسان میں ایسا شخص کم تر ہوگا ، بلکہ پریوں پر بھی حرف ہے ۔

وہ خوشی خوشی تصویر لیے ہوئے شہزادی کے پاس آئی اور بادشاہ کی زبانی جو حقیقت سنی تھی کہ کر سنا دی ۔ اس محو جلوۂ یار نے اس کو نگاہِ غور سے دیکھا تو اپنے ورقِ دل کی صورت کے مطابق پایا ، بلکہ خط و خال میں بھی سر مو فرق نہ دیکھا ۔ جی میں سمجھی کہ یہ کار پردازی اور نیرنگ سازی

ماری بہن روح افزا کی ہے ۔ واقعی وہ چھتیسی اپنے قول کی بڑی سچی ہے ۔ مسکرا کر سمن رو پری سے کہا "دیکھ تو تجھے میرے سر کی قسم! یہ اسی شخص کی تصویر ہے کہ جس کے خزانِ غم سے میرا گلِ نارسیدہ کمھلایا ہے اور غنچۂ نودمیدہ مرجھایا ہے ۔

وہ ملاحظہ کر کے بے اختیار مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور بولی "ہاں شہزادی بے شک یہ تصویر شہزادے کی ہے ۔ لو اب ہنسو بولو خوشیاں کرو ۔ جو تمہارا مطلب تھا سو خدا نے پورا کیا ۔

یہ کہ کر بادشاہ کے حضور میں آئی اور یوں عرض کی کہ حضرت فرزند ماں باپ کے تابع ہیں ۔ اُن کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ والدین کی مرضی کے خلاف نہ کریں اور ہر حال میں ان کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھیں ۔ اگر دیو ان کے پسند پڑے تو بیٹی اس کو غلمان سمجھے اور جو وہ ایک سیاہ اس کے واسطے تجویز کرے تو اس کو ماہِ کنعاں جانے ۔

فیروز شاہ اس کی گفتگو سے نہایت شاد ہوا اور شادی کی تیاری کا حکم دے دیا ۔ تمام جزیرۂ ارم کی دکانوں کو نقش و نگار تازہ سے آرائش دی ۔ اندر باہر نئے فرش بچھ گئے ، ناچ رنگ ہونے لگا ، چار طرف شادی کی دھوم مچ گئی ۔

رقعے جا بجا بھجوائے ، پریوں کے غول چاروں طرف سے آنے لگے ، مجلسِ نشاط آراستہ ہوئی ، شراب چلنے لگی ، تورے جانے لگے لوگ ضیافتیں کھانے لگے ۔

فیروز شاہ ہر ایک کی قدر کے موافق اُس کی خاطر داری اور مہمان داری آپ بھی کرتا تھا ، اہل کار جو اس کام پر معین تھے اُن پر غافل نہ رہتا تھا ۔

آغاز کار کا بخوبی انجام ہوا اور جزیرۂ فردوس میں مظفر شاہ نے بھی اسی طرح تاج الملوک کی شادی کی تیاری اور لوگوں کی مہمان داری شروع کی ۔

پھر بروز معیّن وزیروں امیروں کو حکم کیا کہ لباس نئے رنگین پہنیں اور سرداران لشکر کو بھی کہ دیں کہ مع فوج آراستہ ہوئیں ۔ اور محل میں حسن آرا نے بھی اپنی مصاحبوں اور خواصوں کو بہ آئین شائستہ آراستہ کیا اور آپ نیا لباس اور زیور جواہر کا پہنا ۔ اُس کے بعد سُبھ گھڑی نیک ساعت دیکھ کر شہزادے کو ایک جڑاؤ چوکی پر بٹھلا کر شہانہ جوڑا پہنایا اور شملہ سر پر رکھ کر پیچھے گوشوارہ ، آگے موتیوں کا سہرا اور اس پر پھولوں کا سہرا باندھا ۔ جیغہ کلغی سر پیچ لگایا ، طرہ رکھا گلے میں موتیوں کا مالا ، پھولوں کی بدھی پہنائی ، مرصّع کے نو رتن بازوؤں پر باندھے ۔ پھر ایک پری پیکر گھوڑے کے گنگا جمنی ساز لگا کر موتیوں کا سہرا باندھ کر سوار کر دیا ۔

اس کے بعد مظفر شاہ کئی بادشاہوں سمیت شہزادے کو بیچ میں لیے ، امیر اور سردار داھنے بائیں ، سواروں اور ھاتھیوں کے پرے آگے ، زنانی سواری پیچھے ، تخت رواں ، شتر سوار ، تلنگوں کی کمپنیاں پیادوں کی پلٹنیں باجے بجاتی ہوئی ، خاص بردار ، برچھی بردار ، بان برداروں کے غول ، سواروں کے پرے ، آتش بازی چھٹتی ہوئی اور آرائش لٹتی ہوئی ۔ اس طرح بیاھنے چڑھا اور جزیرۂ ارم کو روانہ ہوا ۔

یہاں بکاؤلی کو عورتیں اس صورت سے آراستہ کرنے لگیں

پرستاروں نے یہ اس کو بنایا
کہ اس کا حسن دونا کر دکھایا

کی اس انداز سے بالوں میں کنگھی
کہ بکھرا دیکھنے والوں کا واں جی
لپٹ ان کو جو اس دم آئی اک بار
ہوئی کافور بوئے مشکِ تاتار
کھجوری گوندھی وہ بانکی جو چوٹی
کہ سب اہل نظر کی جان لوٹی
بھری جب مانگ اس نے موتیوں سے
ہوئے شرمندہ تارے کہکشاں کے
چُنی جب اس کی پیشانی پہ افشاں
قمر پر ہو گئے تارے نمایاں
لگایا اس کے جو ماتھے پہ ٹیکا
ہوا غل چاند پر تارا ہے نکلا
برنگِ مہرِ تاباں تھا جو چہرا
ہوا تارِ شعاعی منہ پہ سہرا
حسامِ ابروِ پر خم بلا تھی
یہ کہیے اس کے قبضے میں قضا تھی
وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی
چقِ مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی
پنھایا کان میں جب اس کے جھمکا
تو برہم ہو گیا عقدِ ثریا
وہ نتھ کی جھوک، بالی کا دمکنا
وہ مہ سے منہ کا گھونگھٹ میں چمکنا
مسی آلودہ دنداں پیارے پیارے
چمکتے تھے شبِ یلدا میں تارے
مسی مل کر جب اس نے پان کھایا
یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا

مسّی مالیدہ لب پر رنگ پان ہے
تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے
بنایا خال کاجل کا ذقن پر
عجب جوبن تھا اس رشکِ چمن پر
چڑھی منہ پر دلھن کے ایسی شیرینی
کہ پھیکی پڑ گئی نظروں میں شیریں
پنھا چمپا کلی باندھا جو دو لڑا
بنات النعش کو حیرت میں ڈالا
اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے
زرِ خالص کے زیبِ پا چھڑے تھے
سوا اس کے بہت سا اس نے گہنا
مناسب جس جگہ تھا اس نے پہنا
نہ گہنے سے بڑھا کچھ حسن اس کا
ہوئی زیور کو بلکہ اس سے سوبھا
کفِ رنگیں میں جو دزدِ حنا تھی
چرانے کو دلِ عاشق بلا تھی[1]
عجب انداز کا بنگلا بنا تھا
کہ اس پر ملک دل بنگلا تھا
وہ ڈورے آنکھ کے ڈوروں سے افزوں
کٹوری اس کی جامِ چشم میگوں[2]
وہ اس کا پیٹ گورا لال کرتی
دلِ چالاک کی کھوتا تھا پھرتی
نہ چھپتی تھی لطافت سیم تن کی
نمایاں صاف تھی رنگت بدن کی

---

۱ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ہے۔
۲ - " " " "

نظر جس کی پڑی اُس پر وہ بولا
شفق میں دیکھنا کیا چاند نکلا
مغرّق تاش کا اک پائیجاما
پہن کر پھر تو اک عالم کو روندا
لباس و زیور و حسن و ادا کا
بیاں سب کا کروں، کب ہے یہ یارا
جو تھا ذی روح وہ تھا محوِ دیدار
جسے دیکھو بنا تھا نقشِ دیوار

القصہ جب برات قریب پہنچی تب فیروز شاہ نے کئی ارکانِ دولت استقبال کے لیے بھیجے ۔ وہ نہایت تعظیم و تکریم سے لے آئے، اور جس جگہ مجلسِ نشاط اور محفل انبساط برپا تھی، وہاں ہر ایک کو بڑی تعظیم تواضع سے بٹھایا ۔ آتش بازی چھٹنے لگی، آرائش لٹنے لگی ۔

اور حسن آرا کے ساتھ اسی سلوک سے جمیلہ خاتون پیش آئی ۔ سارے طریقے سمدھنوں کے بجا لائی ۔ غرض پچھلے پہر تک ناچ رنگ کی صحبت رہی، اس کے بعد اس گوہر یکتا کا اس لعل بے بہا کے ساتھ عقد باندھا ۔ مبارک سلامت کا اندر باہر غل پڑ گیا ۔ پھر شربت پلانے لگے، شربت پلائی لینے لگے، گوٹوں اور پھولوں کے ہار پہنانے لگے اور الائچیاں، چکنی ڈلیاں، عطر کی شیشیاں دینے لگے ۔

اس کے بعد دولھا کو گھر میں بلایا اور دولہن کو لا کر دولھا کے پاس شہانی مسند پر بٹھایا ۔ نو بات چنوا کر، ٹونی گا کر، آرسی مصحف دکھا کر دولھا کو باہر رخصت کیا ۔ دولہن ملنے کے لیے گود میں اٹھا کر لے گئے، جہیز نکلنے لگا ۔

اُدھر فیروز شاہ نے ایک مکانِ عظیم الشان کہ تخت گاہ سے

قریب تھا ، بیٹی داماد کے رات بھر رہنے کو نہایت تکلف سے سجوا دیا ۔

جب سب جہیز نکل چکا اور برات کے چلنے کی تیاری ہوئی ، پھر دولھا کو گھر میں بلایا ، ڈیوڑھی میں چھپّان لگایا ، دولھا نے دولھن کو گود میں لا کر چھپّان میں سوار کیا ۔ پھر آپ اسی پری پیکر گھوڑے پر سوار ہوا ۔ ہر ایک چھوٹا بڑا جلو میں چلنے کو تیار ہوا ۔

اس طرح آگے آگے تخت رواں ، شتر سوار ، پیادے اور سوار بے شمار ، نقارچیوں کی قطار ، روشن چوکی والے گاتے بجاتے ہوئے ، مہتمم دلھن کی سواری پر سے چاندی سونے کے پھول لٹاتے ہوئے ، اسی مکان پر پہنچے ۔

ہر ایک باراتی اپنے اپنے گھر سدھارا ، کہاروں نے دلھن کا چھپّان آتارا ، دولھا نے دلہن کو گود میں لے جا کر مسند پر بٹھایا ۔ کھیر چٹائی ، خدا خدا کر کے دن گزرا ، رات آئی ۔ سب کنارے ہو گئے ، خلوت ہوئی ، دولھا دلہن مسہری میں گئے ، مزے لوٹے :

عاشق و معشوق باہم ہوں جہاں
شوق نپٹ جوش میں آئے وہاں
شمع کو پروانہ جو دیکھے کہیں
رہ نہ سکے گر پڑے اس پر وہیں
صبر کرے پھول سے بلبل کہاں
لے ہی لے آغوش میں مانندِ جاں
طوطی جو آئینے کو دیکھے کبھو
چین نہ آئے اسے بے گفتگو[1]

---

۱ ۔ یہاں سے ۹ شعر اور اچھی خاصی عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔

آخر روح افزا اپنے ماں باپ سمیت رخصت ہو کر اپنے گھر گئی اور تاج الملوک نے فیروز شاہ کے محل میں جا کر اپنی بود و باش اختیار کی ۔

# بیسویں داستان

## رخصت ہونے میں تاج الملوک اور بکاولی کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے

ایک روز تاج الملوک نے بکاولی سے مشورت کر کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے رخصت مانگی ۔ انھوں نے کہا ''بہت بہتر'' ہزار غلام قمر طلعت اور سیکڑوں لونڈیاں خوبصورت عنایت کیں اور دان جہیز کے سوا کچھ نقد و جنس اور لوازمہ سفر کا دیا ۔ اس کی تفصیل لکھوں تو یقین ہے کہ ایک کتاب اور تیار ہو جائے اس لیے قلم انداز کیا ۔ القصہ شاہزادہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے بکاولی کو لے کر اپنے ملک میں پہنچا ۔

دلبر اور محمودہ کی جان میں جان آئی ، کشتِ امید سوکھی ہوئی پھر لہلہائی، اس کا آنا ان کے حق میں ایسا ہوا جیسے بیمار کے واسطے مسیحا کا ، لیکن بکاولی کو جو اس حسن و جمال اور مال و منال سے دیکھا حیران ہوگئیں ، آئے ہوئے ہوش جاتے رہے، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ۔

پری نے جو یہ رنگ ڈھنگ دیکھا ، ہر ایک کو گلے سے لگایا دلاسا دیا اور فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو ، کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو ، میں تمھارے عیش میں مطلق خلل انداز نہ ہوں گی بلکہ اپنی خوشی پر تمھارے نشاط کو مقدم جانوں گی ۔

چنانچہ ہمیشہ شیر و شکر کی طرح آپس میں سب کی سب

ملی جلی رہیں اور سوتاپے کی جَلن کسی کو نہ ہوئی ۔ شہزادہ بھی ان غنچہ دہنوں کے ساتھ شگفتگی سے اوقات بسر کرنے اور عیش اور عشرت سے رہنے لگا۔

# اکیسویں داستان

## بکاولی کے جانے کی راجا اندر کے اکھاڑے میں اور ناچنا گانا اس کے حضور میں اور تفرقہ پڑنا تاج الملوک میں اور اس میں

اہل ہند کی کتابوں میں یوں لکھتے ہیں کہ امر نگر نام ایک شہر بستا ہے ، وہاں کے باشندے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور راجا اندر وہاں کا راج کرتا ہے ۔ دن رات پریوں کے ساتھ عیش و عشرت میں رہتا ہے، اس کا کام یہی ہے اور غذا اس کی ناچ اور راگ ۔ عالم جنّات بھی اس کے تابع ہیں ، ساری پریاں اس کی مجلس میں جاتی ہیں اور رات دن ناچتی گاتی ہیں ۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ راجا نے فرمایا ’’بکاولی فیروز شاہ کی بیٹی مدت سے ہماری مجلس میں نہیں آئی ، اس کا سبب کیا ہے اور یہاں کے آنے کا مانع کون ہے ؟‘‘

پریوں میں سے ایک پری نے عرض کی کہ وہ ایک انسان کے دام عشق میں گرفتار ہوئی ہے ، بلبلِ بے قرار کی مانند فریاد کیا کرتی ہے اور مُدام اس کے سودائے عشق میں سرشار رہا کرتی ہے اور اپنے بیگانے سے اسے نفرت ہے ۔ فقط اسی سے صحبت ہے، شرابِ وصل اس کے ساتھ سے پیتی ہے اور اس کے دم سے جیتی ہے‘‘۔

راجا یہ ماجرا سن کر غصے میں آیا اور شعلۂ غضب اور بھی بھڑکا ۔ کئی پریوں کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو اسی وقت حاضر کرو ۔

وہ تخت رواں لے کر تاج الملوک کے باغ میں آئیں اور بکاولی کو جگا کر راجا کے اعتراض اور غضب ناک ہونے کا حال بیان کیا ۔ وہ چار و ناچار اُس پر سوار ہو کر اس نگر کو گئی اور وہاں کانپتی ہوئی راجا کے سامنے جا کر آداب بجا لائی ، ہاتھ باندھ کر کھڑی رہی ۔

مہاراج نے نگاہ قہر سے اسے دیکھا اور بہت سا جھڑکا ۔ آخر فرمایا کہ اس کو آگ میں ڈال دو کہ انسان کے بدن کی بو باس اس میں نہ رہے اور یہاں کی صحبت کے قابل ہو "۔

پریوں نے فوراً اس نسترنِ باغِ لطافت کو اور یاسمنِ چمنِ نزاکت کو ہاتھوں ہاتھ وہاں سے باہر لا کر آتش کدے میں ڈال دیا ، وہ جل کر راکھ ہو گئی :

جل گیا عاشق تو کیا غم ہے کہ اس کی چشم تر
دیکھتی ہے یار کو گلشن میں مانندِ خلیل

اس کے بعد پانی پر کچھ منتر پڑھ کر اُس پر چھڑکا ، فی الفور جی اُٹھی اور ہیئت اصلی پر آ کر مجلس میں ناچنے لگی - پہلی ہی ٹھوکر سے اہلِ مجلس کے دلوں کو پامال کیا اور ایک ہی آمد و رفت میں تماشائیوں کو بے حال کیا ۔ غرض ناچنے کا جو حق تھا ادا کیا ۔ ساری مجلس کو محو کر دیا ۔ پھر تو واہ واہ کی صدا ہر ایک کے منہ سے نکلنے لگی اور آفرین و تحسین کی آواز ہر طرف سے بلند ہوئی ۔

بکاولی آداب بجا لا کر راجا سے رخصت ہوئی ، تخت پر بیٹھ کر اپنے باغ میں آئی۔ گلاب کے حوض میں نہا دھو کر شہزادے کی بغل

میں سو رہی ۔

صبح کو اپنے معمول پر اُٹھی ، سنگار کیا ، لوگ بھی اندر باہر اپنے اپنے کام میں مشغول ہوئے۔

القصہ ہر شب وہ غیرت ماہ امر نگر میں جاتی تھی ، پہلے تو اسے آگ میں جلاتے ، پھر راجا کے حضور میں ناچتی گاتی ، جب تھوڑی سی رات رہتی رخصت ہو کر اپنے گھر آتی اور گلاب کے حوض میں نہا کر اس دریائے خوبی سے ہم آغوش ہوتی اور اپنا جی ٹھنڈا کرتی :

قبول اس نے کیا جلنا سدا کا
نہ چھوڑا وصل لیکن دلربا کا
جلاتی تھی تنِ نازک کو، ہر شب
نہ کھلتے تھے شکایت کو کبھی لب
وہ عاشق سے نہ کرتی تھی کنارا
فراق اس کا نہ تھا ہرگز گوارا
جو جل مرنے کو اپنے دل پہ ٹھانے
وہ ہر آتش کدے کو آب جانے
گوارا ہوتی ہے سب نارِ سوزاں
سہا جاتا نہیں پر سوز ہجراں
جسے ہو شمع رویوں کی محبّت
وہی جانے ہے نت جلنے کی لذّت

مگر شہزادے کو ہرگز اس بات کی خبر نہ تھی ۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ بکاولی تو اپنے معمول پر وہاں گئی ہوئی تھی ، یہاں شہزادے کی آنکھ کھل گئی ۔ پلنگ پر اسے نہ دیکھا ، ہر طرف قصر اور باغ میں جا کر ڈھونڈا، کہیں اس کا سراغ نہ ملا۔ نہایت تنگ ہو کر اپنے خلوت کدے میں

آ کر بیٹھا اور یہاں تک اس رشکِ بتِ چین کی راہ دیکھی کہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ آخرش اسی حالت میں سو گیا، بکاولی بھی اپنے وقت پر آ کر اس کے پاس سو رہی۔

صبح کو تاج الملوک نے بدستور جو اس کو ساتھ سوتے دیکھا زیادہ تر متعجب ہوا لیکن دم نہ مارا۔ اس راز کو مطلق نہ کھولا، مگر اس تحقیقات کے واسطے دوسری رات کو اپنی آنگلی چیر کر نمک چھڑک دیا کہ مبادا آنکھ نہ لگ جائے، وہ بھید چھپے کا چھپا رہے۔

غرض آدھی رات گئے تخت پھر آ کر موجود ہوا۔ بکاولی آٹھ کر بناؤ سنگار کرنے لگی اور شہزادہ بھی چھپے چھپے جا کر اس تخت کا پایا پکڑ کر بیٹھ رہا۔ اتنے میں وہ بھی آ کر سوار ہوئی اور پریاں اس کو لے کر آڑیں۔ تاج الملوک اسی پائے میں لٹک گیا، پھر اس قدر بلند ہوا کہ زمین اسے نظر آنے سے رہ گئی۔ جھٹ پٹ راجا اندر کے دروازے پر لے جا کر آتار دیا۔

بکاولی آتر کر ایک طرف کھڑی ہو رہی اور یہ بھی الگ ہو کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھنے لگا۔ غرض جس طرف آنکھ پڑتی تھی آدھر پریوں کا جھرمٹ نظر آتا تھا اور ہر طرف آواز قسم قسم کے سازوں کی اور راگوں کی جو تمام عمر نہ سنے تھے، متصل چلی آتی تھی۔ حاصل یہ کہ تاج الملوک نے وہ کچھ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا اور وہ سنا جو کبھی نہ سنا تھا، دنگ رہ گیا۔

اتنے میں کئی پریاں دوڑیں اور بکاولی کو آتش کدے میں ڈال دیا۔ وہ جل کر راکھ ہو گئی۔ اس حادثے کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا اور جی میں یوں کہنے لگا "حیف ہے اس وقت طاقت نہیں رکھتا میں کہ پروانے کی مانند اس شمع رو کے ساتھ جلتا، اپنے بدن کو

راکھ کر کے اس سے ملتا ۔ کیا کروں کچھ بس نہیں ، نہ قدرت فریاد کی ہے نہ جگہ داد کی ''۔

یہ تو اسی آدھیڑ بن میں رہا کہ ان ھی میں سے ایک پری نے پانی پڑھ کر اس کی راکھ پر چھڑکا ، فی‌الفور زندہ ھوئی اور راجا کی مجلس میں چلی آئی ۔ شہزادہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا ۔ از بس کہ اژدھام تھا کوئی کسی کو پہچانتا نہ تھا ، کسی نے نہ جانا یہ کون ہے اور کیوں کھڑا ہے ۔

اتفاقاً بکاولی کا پکھاوجی بڈھا ضعیف تھا ، ناتوانی کے سبب اچھی طرح بجا نہ سکتا تھا ، وہ رک رک کر ناچتی تھی اور بار بار تیوری چڑھاتی تھی۔ شہزادہ یہ حال دیکھ کر بے چین ھوا ، آخر رہ نہ سکا ، سازندے کے کان میں جھک کر کہا ''اگر تیری مرضی ھو تو ایک دو گتیں میں بجاؤں ، اس کام میں چالاک ھوں ''۔

اس نے اس بات کو غنیمت جانا ، پکھاوج کو حوالے کیا ۔ یہ تو اس کام میں بانی کار تھا اور اس کے دام محبت میں گرفتار ۔ اس کی خواھش کے مطابق بجانے لگا ۔ پھر تو کیفیت ناچ کی ایسی ھوئی کہ در و دیوار سے واہ واہ کی صدا آنے لگی ۔ راجا بھی یہاں تک محظوظ ھوا کہ اپنے گلے کا نولکھا ھار آتار کر بکاولی کو عنایت کیا ۔ وہ ناچتے ناچتے جو پیچھے ھٹی ، بجنس پکھاوجی کو حوالے کیا ۔ اس کے بعد مجلس راگ و رنگ برخاست ھوئی ۔

شہزادہ جس طرح گیا تھا اسی طرح اپنے باغ میں آیا ۔ بکاولی گلاب کے حوض کی طرف گئی ۔ یہ خواب گاہ میں جا کر سو رہا ۔

لیکن صبح کے وقت مسکراتا تھا ۔ پری نے پوچھا ''غیر عادت مسکرانے کا کیا سبب ہے ؟''

کہا ''رات کو عجب خواب دیکھا ہے ، اس واسطے مجھے

ہنسی آتی ہے " وہ کہنے لگی "خدا خوب کرے ، مگر میں بھی سنوں کیا دیکھا ہے "۔

تاج الملوک بولا "یہ دیکھا ہے کہ آدھی رات کو تو کہیں جاتی ہے اور مجھ کو خبر نہیں کرتی ؟"

بکاولی یہ سن کر ڈری ، مبادا یہ بھید اس پر کھلا ہو اور احیاناً یہ بھی میرے ساتھ وھاں گیا ہو۔ بجد ہوئی کہ سارا سنے۔ پھر کہنے لگی "اور بھی کچھ دیکھا یا نہیں؟"

شہزادہ بولا "گویا آج کی رات میں بھی تیرے ہمراہ گیا ہوں، اس طرح کہ پریاں ایک تخت لائیں، تو اس پر سوار ہوئی اور میں پائے سے لٹکا ہوا چلا گیا۔ بس اب آگے نہیں کہتا کہ خواب کی بات بے سروپا ہوتی ہے ، اعتبار نہیں رکھتی ، خواب خیال ہے ، بے فائدہ کون بکے "۔

بکاولی بولی "تجھے میرے سر کی قسم ! جو دیکھا ہے سب کہہ "۔

غرض تاج الملوک تھوڑا کہتا ، پھر خاموش ہو رہتا اور وہ قسمیں دے دے کر پوچھتی جاتی ۔ آخر سارا ماجرا اس نے آخر تک ہو ہو کر کہہ سنایا اور وہ ہار راجا کا بخشا ہوا تکیے کے نیچے سے نکال کر دکھلایا ۔ تب اس پری نے اپنا سر پیٹ لیا اور سُن ہو گئی ۔

ایک دم کے بعد بولی "شہزادے یہ تو نے کیا کیا ؟ اپنا دشمن تو آپ بنا ! دیکھ تو میں نے تیری خاطر ماں باپ کے ہاتھ سے کیا کیا رنج اٹھائے اور ہر کس و ناکس کے طعنے کھائے ۔ یہاں تک کہ ہر رات آگ میں جلنا بھی قبول کیا ، مگر تجھے نہ چھوڑا اور تیری راہ سے منہ نہ موڑا ۔ چنانچہ تو نے آنکھوں سے بھی یہ تماشا دیکھا ، کچھ کہنے کی حاجت نہیں ، کاش کہ تو اس

مجلس میں نہ جاتا اور اپنے گھر میں میری جدائی کا صدمہ اٹھاتا تو بہت بہتر تھا ، کیوں کہ اس کا انجام اچھا نہیں - اب حیران ہوں، اگر تجھے نہ لے جاؤں تو کہاں تک چھپائے رکھوں - خیر جو تقدیر میں ہے سو آمنٹ ہے ، مگر آج اپنے طالع آزماتی ہوں ، تجھے لے جا کے اپنی کر گزرتی ہوں، آگے جو مرضی خدا کی -

چنانچہ معمول کے وقت تاج‌الملوک سمیت گئی اور راجا سے بعد سلام مجرے کے عرض کی کہ آج ایک بجانے والا بہت چالاک اپنے ساتھ لائی ہوں ، اگر حکم ہو تو یہاں آ کر بجائے ''۔

راجا نے فرمایا '' بہت اچھا، ہماری عین خوشی ہے ''۔

الغرض وہ بجانے لگا اور وہ نازنین ناچنے لگی - آخر یہ کیفیت ہوئی کہ ساری محفل غش کر گئی - راجا بھی مست ہو کر جھومنے لگا اور اسی عالم میں فرمایا - ''مانگ جو مانگا چاھتی ہے ، محروم نہ جائے گی ''۔

یہ سن کر بکاولی نے آداب بجا لا کر عرض کی - ''مہاراج کی بدولت لونڈی کو کسی چیز کی کمی اور کچھ ھوس دل میں باقی نہیں ، مگر اس پکھاوجی کو بخشیے کہ یہی آرزو ہے ''۔

سنتے ھی اس سخن کے راجا برھم ھوا اور شہزادے کی طرف غضب سے دیکھ کر بولا ''اے آدم زاد! تو ھی اس کو چاھتا ہے اور یہ تجھے چاھتی ہے؟ بہت اچھا! ذرا تو اس کا مزہ چکھ اور لذت اٹھا - تو چاھتا ہے کہ بکاولی سی پری کو بے محنت اور مشقت یہاں سے لے جاؤں اور اپنی بغل گرم کروں ، یہ نہ ھوگا ''۔ پھر بکاولی کی طرف منہ پھیر کر کہا ''اے سُتا ! کیا کروں تجھ سے سخن ھار چکا ھوں ، جا اسے تجھے بخشا ، لیکن بارہ برس تک تیرا نیچے کا دھڑ پتھر کا رہے گا ''۔

یہ حرف جو اس سنگ دل کے منہ سے نکلا وہ سیمیں تن اسی

ہیئت کی ہو کر غائب ہو گئی :-

ہیہات ازل سے ہے یہ عالم  شادی و غمی ہوئے ہیں توآم
دم بھر کی بہار میہماں ہے  آخر وہی باغ میں خزاں ہے
گہ سر پہ ہو تیرے تاج شاہی  گہ خاک پہ بسترِ تباہی
کل سا کبھی دل فراغ دیکھے  گہ دل پہ ہزار داغ دیکھے
دم بھر جو نشاط و عیش ہوئے  خمیازہ پر اس کا طیش ہوئے

# بائیسویں داستان

## تاج الملوک کی سنگل دیپ میں پہنچنے کی اور بکاولی سے ملنا اور چتراوت راجا کی بیٹی کا اس پر عاشق ہونا

کہتے ہیں کہ بکاولی راجا اندر کی بد دعا سے پتھر کی ہو کر وہاں سے غائب ہو گئی اور شہزادہ سیماب کے مانند بیتاب ہو کر لوٹنے لگا ، تب اس کو پریوں نے اٹھا کر نیچے ڈال دیا ۔ وہ ایک جنگل میں جا پڑا ۔ تین روز تک بے ہوش رہا ، چوتھے دن جو آنکھ کھلی تو بجائے دلدار کے ، پہلو میں خار دیکھے ۔ ہر طرف جا کر شور و فریاد کرنے لگا اور بکاولی کی خبر ہر ایک درخت سے پوچھنے لگا ۔

ایک دن اسی طرح ایک سنگ مرمر کے تالاب پر جا پہنچا ۔ چاروں طرف سیڑھیاں پاکیزہ اور خوب صورت بنی ہوئی تھیں اور میوہ دار درخت بھی بہت سے اس کے گرد لگے تھے ۔ شہزادے نے ایک ساعت وہاں دم لیا ، پھر نہا کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑ رہا اور اپنی محبوبہ کے تصور میں سو گیا ۔

ناگاہ کئی پریاں کہ اس کے حال سے واقف تھیں ، وہ بھی

وہاں پہنچیں اور اسی تالاب میں نہا کر بال سکھلانے لگیں ۔ ان میں سے ایک کی نظر جو شہزادے پر جا پڑی ، ساتھیوں سے کہنے لگی ۔ ''بکاولی کا پکھاوجی یہی ہے''۔

تاج‌الملوک کے کان میں جوں ہی یہ آواز پڑی ، آنکھیں کھول دیں اور پریوں سے باچشمِ خوں‌بار پوچھا ''تمہیں کچھ معلوم ہے کہ بکاولی کہاں ہے؟''

ان کا دل اس کا حالِ زار دیکھ کر بھر آیا ، بولیں ''آنکھوں سے تو نہیں دیکھا ، مگر سنا ہے کہ سنگلدیپ میں ایک بت خانے میں ہے، مگر نیچے کا دھڑ ناف تک پتھر ہو گیا ہے ۔ تمام دن اس مندر کا درازہ بند رہتا ہے اور پہر رات کے بعد صبح تک کھلا''۔

شہزادے نے پوچھا کہ وہ کس طرف ہے اور کتنی دور ہے؟

انھوں نے جواب دیا ''راہ کی مصیبت تو ایک طرف ، آدمی اگر ساری عمر چلے ، جب بھی وہاں نہ پہنچے''۔

تاج‌الملوک یہ سن کر مایوس ہوا اور اپنی زندگی سے ہاتھ اٹھا کر ٹکریں مارنے لگا اور پتھروں سے سر پھوڑنے لگا ۔ پریوں نے اس کے حال پر رحم کھا کر آپس میں مصلحت کی کہ اس آفت رسیدہ کو وہاں تک پہنچایا چاہیے ، آگے اس کی قسمت میں جو ہونا ہے سو ہو جائے گا ۔

فوراً اسے لے کر آڑیں اور بات کی بات میں وہاں پہنچا دیا ۔

ایک لمحے کے بعد اس مایوس کو ذرا حواس آئے تو کیا دیکھتا ہے ، ایک شہر رشکِ بہشتِ بریں زمیں پر آباد ہے اور عجائب اس کا سواد ہے ۔ رنڈی مرد وہاں کے کوئی بد صورت نظر نہیں آتا ، بلکہ درخت بھی وہاں کے ایسے قدِ موزوں رکھتے ہیں کہ دیکھنے والے دنگ رہتے ہیں ۔

آخر یہ سیر کرتا کرتا بازار کی طرف جا نکلا ، راہ میں ایک

برھمن پجاری ملا ، اُس سے پوچھا کہ دیوتا تم کون سے ٹھاکر دوارے کے پجاری ہو ؟

برہمن نے کہا ''راجا چترسین ، جو اس ملک کا والی ھے اُس کے ٹھاکر دوارے کا میں پجاری ہوں ''۔

پھر تاج‌الملوک نے پوچھا کہ اس شہر میں کتنے ٹھاکروں کے مندر ھیں جو معروف و مشہور تھے ؟''

برھمن نے بتا دیے ۔ پھر یہ کہا کہ تھوڑے دنوں سے دکھن کی طرف دریا کے کنارے ایک نیا مندر ھوا ھے ۔ دن بھر اُس کا دروازہ نہیں کھلتا ، کوئی نہیں جانتا کہ اس میں کیا ھے ''۔

شہزادہ یہ بات سن کر خوش ھوا اور اُسی طرف جا کر دریا کے کنارے مندر کے دروازے پر بیٹھ رہا ۔

پہر رات گزری ، اُس استھان کے کواڑ یکایک کھل گئے ۔ تاج‌الملوک اندر گیا ، دیکھا کہ بکاولی آدھی بصورتِ اصلی اور آدھی پتھر کی، دیوار کا تکیہ لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھی ھے۔ اس کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ ''تو کیوں کر یہاں آیا ؟''

اُس نے تمام ماجرا کہہ کر سنایا ، پھر ساری رات دونوں باتوں میں مشغول رہے ۔

پھر صبح ھونے لگی ، بکاولی نے شہزادہ سے کہا ''اب تو یہاں سے جا ۔ اگر آفتاب نکل آئے گا تو مجھ سا تو بھی ھو جائے گا ''۔

اس کے بعد ایک موتی اپنے کان سے نکال کر اس کو دیا کہ بالفعل اس کو بیچ کر اسباب درست کر اور چندے اوقات کاٹ ۔

تاج‌الملوک لے کر شہر میں آیا اور اُسے کئی ھزار روپے

کو بیچ کر ایک حویلی پختہ مول لی ۔ اسباب ضروری بھی بنا لیا اور کئی خدمت گار نوکر رکھے ۔ جب رات ہوتی بکاولی کے پاس جاتا اور صبح اپنے مکان میں آتا ۔

اسی طرح ایک مدت گزر گئی ۔ بعضے بعضے اشخاص ہمسائے کے ، شہزادے سے آشنا ہو گئے تھے ، اُس کو شہر کی سیر دکھانے لگے ۔

ایک روز تاج‌الملوک اُن کے ساتھ سیر کو نکلا تھا ، ایک گروہ سر و پا برہنہ بہ حالت تباہ نظر آیا ۔ شہزادے نے یاروں سے پوچھا ''یہ اشخاص اگرچہ بہ لباس فقیر ہیں ، لیکن بصورت امیر معلوم ہوتے ہیں ، خدا جانے اس کا سبب کیا ہے ؟''

اُن میں سے ایک بولا ۔ ''ان میں بعضے تو شہزادے ہیں اور کئی امیر زادے ، لیکن سب جلے ہوئے آتشِ عشق اور اشتیاق کے ، اور نشانے ناوکِ فراق کے ہیں ۔ قصہ ان کا یوں ہے کہ راجا چترسین کی ایک بیٹی مہ پارا ، بلکہ آسمانِ خوبی کا ستارہ ہے ، اس کے مانند کوئی عورت حسین اس سر زمین میں نہیں ہے :

ناز ظاہر ہے قد موزوں سے
مَے ٹپکتی ہے چشمِ مَیگوں سے
سیکڑوں کُشتے اس کی ابرو کے
لاکھ بند ہوئے ہیں تارِ گیسو کے
زلف اس کی ہے جس قدر شب گوں
ہے سیہ بخت اُس قدر مفتوں
امرت اور زہر آنکھیں ہیں اُس کی
دم میں ماریں بھی اور جلائیں بھی
ننگ و ناموس جو کہ ہاتھ سے دے
اس کے کوچے کی سمت راہ وہ لے

قصہ مختصر ایک تو وہ آپ ہی پری پیکر، قاتل گبرو مسلمان ہے،

دوسرے اس کے ساتھ اور بھی دو کافریں غارت‌گرِ ایمان ہیں ۔ ایک تنبولی کی لڑکی نرملا نام اور دوسری کالی کی جھیلا اسم با مسمیٰ ہے ۔ غرض تینوں آپس میں اخلاص دلی رکھتی ہیں ۔ اٹھنا ، بیٹھنا، جاگنا ، سونا ، کھانا ، پینا دن رات ایک جگہ ہے اور اپنے اپنے بیاہ کی بھی ہر ایک مختار ہے ۔ جسے پسند کرے اسی سے ہو ۔ کسی کو اس بات میں دخل نہیں ، لیکن اب تک کوئی اس کا منظورِ نظر نہیں ہوا اور آنکھوں میں نہیں ٹھہرا ۔

شہزادہ یہ سن کر چپکا ہو رہا ۔

اتفاقاً ایک روز آوارۂ بیابانِ عشق اس حور سرشت کے محل کے نیچے جا نکلا ، تماشائی اس کے گلِ رخسار کو بلبل وار تکتے تھے اور دیوانوں کی طرح آپس میں کچھ کچھ بکتے تھے اور وہ پری زاد بیٹھی جھروکے سے دیکھ رہی تھی کہ شہزادہ اس سے دو چار ہوا ، عشق کا تیر دل سے پار ہوا ، عنانِ صبر و شکیب ہاتھ سے چھٹ گئی ، متاعِ ہوش و حواس لٹ گئی ۔ بے خود ہو کر گر پڑی ۔

نرملا اور جھیلا نے دوڑ کر اٹھایا ، منہ پر گلاب چھڑکا ، عطر سنگھایا ، کچھ تھوڑی ہوش آیا ، لیکن سکتے کی سی حالت ۔ ہر چند انھوں نے حال پوچھا ، اس نے کچھ نہ بتایا ، حیرت کو اسی طرح منہ میں رہنے دیا ۔ تب نرملا نے کھڑکی کے نیچے جھانک کر شہزادے کو دیکھا اور چتراوت کی بیتابی کا سبب دریافت کیا ۔ پھر تسلی دے کر کہنے لگی ”اے رانی ! تیری بےقراری نے ہم کو دیوانہ بنایا اور اضطرابی نے دامنِ صبر چھڑایا ۔ اتنی کیوں گھبراتی ہے اور کس واسطے آپ کو دیوانہ بناتی ہے ۔ تیرے باپ نے بیاہ کی تجویز تجھ پر موقوف رکھی ہے ، جس کو پسند کرے گی اسی سے تیری شادی کر دے گا ، خاطر جمع رکھ ، اس جوانِ ابلق سوار کو، جس کو دیکھ کر تیری یہ حالت تغیر ہوئی

ہے ، اگر فرشتہ ہے تو بھی تیرے دام سے نہیں جا سکتا اور کوئی اس کو چھڑا نہیں سکتا ۔ دیکھ تو ایسے جال میں پھنساتی ہوں کہ ھل نہ سکے اور ایک قدم آگے نہ چل سکے ''۔

یہ کہ کر ایک کٹنی اس کے حال کی تحقیقات کو بھیجی -

وہ عجب شوخی و طنازی سے آئی اور آتے ہی شہزادے کے گھوڑے کا شکار بند پکڑ کر کہنے لگی ''تو کیا نہیں جانتا کہ یہ شہر مقتل غربا ہے اور یہاں عاشقوں کو سولی دینا روا ہے ۔ یہاں کے پری رو مرغِ زیرک کو تارِ زلف میں ادا سے پھنسا لیتے ہیں اور ہر ایک نگاہ سے خاک پر گرا دیتے ہیں ۔ تو کس جرأت اور دلیری سے ادھر آدھر پھرتا ہے اور بادشاہوں کے محلوں کی طرف دیدہ بازی کرتا ہے، مگر آتش کا پرکالہ ہے جو شمع رُخوں کے دلوں کو پگھلاتا ہے اور سنگ دلوں کے کلیجوں کو موم بناتا ہے۔ کدھر سے آیا ہے اور کہاں کا رہنے والا ہے ؟ اپنے حسب اور نسب اور وطن سے آگاہ کر ''۔

تاج الملوک اس کی باتوں سے تاڑ گیا کہ کسی کی بھیجی ہوئی ہے۔ بولا ''اے چمکو! بہت باتیں نہ بنا ، میرے داغ دل سے روئی کو نہ آٹھا ، اپنے کسی مجروح کے زخم پر مرہم لگا ۔ سن ! وطن میرا مطلع خورشید سے روشن تر ہے اور افسر سلاطین سے دریافت کر کے جس کی تو بھیجی ہوئی آئی ہے ، اس سے جا کر کہ دے کہ مجھ سے مسافر مصیبت زدہ کی طرف خیال نہ کرے ، مجھ سے سودائی پر دھیان نہ رکھے ۔

خوش جو آنے سے ہو اس کے پاس جا
ناز اس پر کر جو خواہاں ہو ترا

مشاطہ جان گئی کہ وطن اس کا شرقستان ہے اور نام اس کا

تاج الملوک ۔ عالی نسب اور والا حسب ہے ۔ غرض تمام حال دریافت کر کے چتراوت سے آ کر بیان کیا ۔

شہزادہ روز پوشاک بدلتا اور اس کے جھروکے کے نیچے سے ہو کر نکلتا ۔ چتراوت اس کے فراق سے چودھویں رات کے چاند کی طرح گھٹنے لگی اور اس کے درد غم سے دل ہی دل میں گھٹنے لگی ۔

چند روز تو یہ راز چھپا رہا ، آخرش کھل گیا ، یہاں تک کہ ماں باپ نے بھی سنا ۔ تب راجا نے ایک دلالہ بڑی ہوشیار پختہ کار بلائی اور شہزادے کے پاس بھیجی کہ لڑکی کی نسبت کا پیغام اس کو دے اور اس کے دل کو ہر طرح لبھائے ۔

القصہ اس نے جا کر چتر سین کا پیغام شہزادے کو دیا اور گل اندام کا حسن بیان کیا ۔ اس نے تمام اور کمال سن کر یہ جواب دیا ۔ ’’تو میری طرف سے بعد سلام و نیاز راجا کی خدمت میں عرض کرنا کہ جو کوئی قبائے شاہی اور تاج شہنشاہی چھوڑ کر رنجِ سفر اور خرقۂ فقر اختیار کرے اور اپنے بیگانے سے کنارہ پکڑے اس کی پابندی کا خیال کرنا فی الحقیقت پانی پر نقش بنانا ہے ، ہوا کو گرہ میں باندھنا ہے‘‘۔ یہ کہا اور اس کو رخصت کیا ۔

دلالہ نے تاج الملوک کے انکار کرنے کی کیفیت راجا سے آ کر عرض کی ۔ چتر سین اس کے اغماض کرنے سے متفکر ہوا اور وزیر سے مشورت کی ۔ اس نے عرض کی کہ ایک غریب بے خانماں کو اگر بادشاہ اپنا مطیع کیا چاہے تو کیا بڑی بات ہے ۔ آپ دیکھیے میں اس کو کس گھاٹ اتارتا ہوں ۔

الغرض وہ مکار اس بات کے درپے ہوا کہ شہزادے کو چوری کی تہمت لگا کر گنہگار ٹھہرائیے اور اپنا کام اس کے ہاتھ سے یوں نکالیے ۔ سچ ہے کہ جو کوئی حکمت حکیمِ مطلق کی گوناگوں کو

تامل کی نظر سے دیکھے تو کسی خیر کو خالی شر سے نہ پاوے اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے۔

اے عزیز! حق تعالیٰ نے عالمِ ارواح کو بدن سے نسبت دی ہے۔ پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت میں روح سے ہے۔ غرض جو فساد کہ اس عالمِ کون و فساد میں ہو تو اُس کی طرف سے جان۔ لیکن شر نہ سمجھ کہ در پردہ وہ خبر ہے، کیوں کہ شر کی وہاں گنجائش نہیں۔

القصہ تاج الملوک کو خرچ کی احتیاج ہوئی۔ چاہا کہ کچھ بکاولی سے مانگے۔ اس میں وہ سانپ کا مَن اپنی ران کا رکھا ہوا یاد آیا، جراح کو بلا کر ران چیڑ ڈالی اور وہ مُہرہ نکال کر زخم پر مرہم لگا دیا۔ جب کہ اچھا ہوا بازار میں لے گیا۔

جوہری دیکھ کر حیران ہوئے۔ وزیر کو جا کر خبر کی کہ ایک شخص ایسا جواہر بیچنے لایا ہے کہ ہم نے ساری عمر نہیں دیکھا اور بادشاہ کے سوا کوئی بھی اس کی قیمت دے نہیں سکتا۔

سنتے ہی وزیر نے کئی جوان اس کے ساتھ کر دیے اور اس غریب الوطن کو ناحق پکڑوا بلوایا۔ دیکھا تو وہی شخص ہے، فی الفور اسے چوری کی تہمت لگا کر قید کیا اور راجا کو یہ مژدہ سنایا کہ پرندہ دام توڑ کر اڑ گیا تھا، آج میں نے اس فریب سے اسے پھر پکڑا۔ اب یقین ہے کہ جو آپ کہیں گے، قبول کرے گا۔

# تئیسویں داستان

## بیاہ ہونے میں تاج الملوک کے چتراوت سے اور کھودنے میں دیر کے جس میں بکاولی تھی

جب شہزادے کو راجا چتر سین نے بندی خانے میں نہایت تنگ کیا کہ چتراوت سے شادی قبول کرے، لیکن وہ قید کی سختیاں ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا، بکاولی کے فراق میں دن رات چلّاتا تھا، در و دیوار سے سر ٹکراتا تھا۔

ایک دن وہاں کے داروغے نے راجا کی خدمت میں عرض کی کہ وہ نو گرفتار جو مانند مرغِ نیم بسمل کے بے قرارانہ رات دن خاک پر لوٹتا ہے، اگر اسے جلد آزاد نہ کیجیے گا تو خونِ ناحق سر پر لیجیے گا۔ چند روز میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔

مہاراج نے اسے تو کچھ جواب نہ دیا، لیکن بیٹی کو کہلا بھیجا کہ تو جا کر شمعِ جمال کا پر تو اس پر ڈال۔ شاید تجھ پر پروانہ وار پگھل جائے اور اس کی متاعِ غرور جل جائے۔

چتراوت یہ بات سن کر نہایت شاد ہوئی۔ جلد آپ کو آراستہ کیا، حسنِ مادر زاد کو زیب و زینت سے دونا کر دیا۔ پھر نرملا اور جھیلا بھی بن ٹھن کر زہرہ مشتری کے مانند اس ماہ رو کے ساتھ ہوئیں۔ غرض تینوں شہزادے کے پاس پہنچیں:

گئی زنداں میں وہ رشکِ زلیخا<br>
وہاں وہ یوسفِ ثانی جو دیکھا<br>
برائے نذر وہ لائی تھی جو جو<br>
رکھا فی الفور اس کے آگے ان کو

وہ کیا تھی ؟ یعنی دندان مثلِ گوہر
عقیق لب بھی برگِ گل سے خوش تر
پھر ایسی ساعدِ سیمیں دکھائی
کہ چاندی چاند کی جن سے لجائی
رخِ گل رنگ کا وہ زر دکھایا
چمک نے جس کی سورج کو جلایا
سنگھائی عطر سی بو اپنے تن کی
سہک شرمندہ کی مشکِ ختن کی
پھر آنکھوں کے آسے دکھلائے بادام
عوض عنبر کے زلفِ عنبریں فام
رکھا سیبِ ذقن پھر اس کے آگے
کہ اس کا بھی مزہ وہ شوخ چاکھے[۱]

لیکن شاہزادے کی نظرِ قبول اُن میں سے کسی پر نہ پڑی اور کوئی چیز اس کی نگاہ پر نہ چڑھی ۔ فی‌الواقع اگر چتراوت کی آتشِ باطن تاثیردار نہ ہوتی تو پھر اس کے تحفۂ ظاہری خراب جاتے ، ساری محنت رائگاں ہوتی ۔

سن اے عزیز ! رسول مقبولؐ نے عبادت کو بادشاہِ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا ۔ عجز سے کہا کہ عبادت تیری جیسی چاہیے ویسی نہیں کی ۔ پھر کس کا منہ ہے کہ اپنی عبادت پر نازاں ہو ؟ بہتر یہی ہے کہ آپ کو اس کی محبت کی کھریا میں یہاں تک پگھلائے کہ اکسیر کے مانند خاک ہو جائے ، تا شاہانِ اکسیر پسند کی آنکھوں میں سونے سے زیادہ نظر آئے ۔

القصہ جب چتراوت نے دیکھا کہ چشمِ جادو اور تیغِ ابرو

---

۱ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ۔

سے کچھ نہ ہو سکے گا ، بے طاقت ہو کو شہزادے کے آگے گر پڑی ، تڑپنے لگی ، یہاں تک کہ شہزادے کے دل کو بھی صدمہ پہنچا ۔ بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوا اور اس کو آغوش میں کھینچ لیا ۔ شادی قبول کی ، کیوں کہ بے اس کی خاطر داری اور رضا مندی کے کسی طرح اپنی رہائی نہ دیکھی ۔

نرملا نے فی‌الفور یہ خوش خبری راجا کو پہنچائی کہ چتراوت گلِ مراد سے دامن بھر کر گھر میں آئی ۔

چترمیں نے فی‌الفور شہزادے کو بندی خانے سے نکال کر حمام میں بھیجا اور خلعتِ شاہانہ مرحمت فرمایا ۔

پھر ایک مکان دل چسپ رہنے کو دیا اور نیک ساعت دیکھ کر اپنے خاندان کے موافق اس درِ ناسفتہ کو اس لعلِ گراں بہا کے ساتھ بیاہ دیا ۔

پھر تاج‌الملوک چتراوت کے خلوت کدے میں آیا، نرملا اور جھیلا اپنے اپنے عہدے پر آ کر کھڑی ہوئیں اور اُن نے بھی گرمیاں بہت دکھلائیں، لیکن شہزادے نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا ، سر نیچے کیے بیٹھا رہا ۔

جب پہر رات گزری اُٹھ کھڑا ہوا اور بکاولی کے مندر کی طرف چلا ، چند روز سے جو اس گرفتار دامِ بلا کو نہ دیکھا تھا تڑپ رہی تھی اور سر دے دے مارتی تھی ۔ اتنے میں شہزادہ بھی جا پہنچا، دیکھتے ہی شاد ہو گئی اور سنبھل بیٹھی ۔ لیکن ہاتھ پاؤں کی مہندی دیکھ کر اس رشک سمن کا منہ غصے سے مثل گل لال ہوا ، دل کو صدمہ کمال ہوا ، طاقت خموشی جاتی رہی ۔ کہنے لگی ”واہ واہ شہزادے ! اتنے دنوں کے بعد آئے، مگر خوب رنگ لائے ، عاشقوں کا نام تو نے ڈبویا ، وفا کو داغ لگایا ، زنہار عاشقی کا دم اب کبھی نہ بھرنا اور عشق کسی سے ظاہر نہ کرنا :

ارے سنگ دل تو نے یہ کیا کیا
کر انصاف اپنے ہی دل میں ذرا
مرا جسمِ گل رنگ ہو جائے سنگ
حنا کا ہو پھر تیرے ہاتھوں پہ رنگ
میں پتھر کی ہو کر رہوں یوں پڑی
کرے عیش تو غیر سے ہر گھڑی
مرا غنچۂ دل یہاں داغ کھائے
وہاں اور گل کو گلے تو لگائے
غضب ہے کہ معشوق غم سے جلے
شب و روز دستِ تاسف ملے
جو عاشق ہو خوش ہو کے دھومیں مچائے
وہ ماتم نشیں ہو، یہ شادی رچائے
نہ لے نام چاہت کا اے بد گہر
پڑیں پتھر ایسی تری چاہ پر
اٹھے درد و غم کی مرے دل میں ہوک
کرے چین تو حیف تاج الملوک
جو رنجش کی باتوں کو اس نے سنا
لگا بید سا کانپنے سر دھنا
کہا، ہے ترا کس طرف آج دھیان
خیال ایسے دل میں نہ لا میری جان
اگر چہ ہوں شہزادۂ نام دار
مگر ہوں ترا بندۂ جاں نثار
بلا شبہ ہوں مالکِ تخت و جاہ
میں تیرا ہوں مملوک اے رشکِ ماہ
مرا گوشت اور پوست سب ہے ترا
ترے ہاتھ مدت سے میں بک چکا

یہ جلوے نے دیوانہ مجھ کو کیا
کہ اپنوں سے بیگانہ مجھ کو کیا
مرے دل کو جس دن سے بھائی ہے تو
ان آنکھوں میں جب سے سمائی ہے تو
جبھی سے کوئی چیز بھاتی نہیں
نظر میں کوئی شے سماتی نہیں
ترے پاؤں سا منہ نہیں چاند کا
تصدق ہے تجھ پر سے یہ دل مرا
سوا تیرے پھر کس سے اے دل ربا
یہ عاشق ترا ہوئے گا مبتلا
نہیں اور تجھ سی کوئی دوسری
پڑے آنکھ کس پر بھلا اب مری
نہ مجھ سے کبھی ہو جیو بدگماں
میں عاشق بہ دل ہوں ترا میری جاں
یہ کیا دخل ہے حکم سے کر پھروں
جو فرمائے فوراً کوئے[1] میں گروں
تعلق نہیں اور کے ساتھ ہے
مرا جینا مرنا ترے ہاتھ ہے
مگر کیا کروں سخت ناچار تھا
بڑی قید میں میں گرفتار تھا
مجھے خواہش کتخدائی نہ تھی
مگر بے کیے بھی رہائی نہ تھی
نہ کرتا جو اس کام کو میں بھلا
تو آ کر تجھے کس طرح دیکھتا
میں اس قید خانے میں مرتا ادھر
تو اس بت کدے میں تڑپتی ادھر

---

۱ - کنوئیں -

پہنچتی نہ میری خبر تجھ تلک
نہ حالت ترے درد کی مجھ تلک
فقط اپنا ہی دیکھتا جو ضرر
تو کرتا نہ یہ بات اے سیم بر
مجھے اپنا جی ایسا پیارا نہ تھا
مگر تیرا نقصاں گوارا نہ تھا
یقیں تھا مرے دل کو اس بات کا
جئیے گی نہ تو بھی جو میں مر گیا
اسی ڈر سے یہ امر میں نے کیا
مجھے ورنہ شادی سے کیا کام تھا
پری نے یہ سن کر غضب سے کہا
"بھلا جھوٹ اتنا ہے کیوں بولتا
کوئی بیاہ کرتا نہیں جبر سے
حذر چاہیے ہے مرے صبر سے
وفا اور محبت تری دیکھ لی
یہ دو دن کی چاہت تری دیکھ لی
تجھے عیش و عشرت مبارک رہے
مجھے رنج و زحمت مبارک رہے
تجھے مجھ سے اس حال میں کام کیا
برے وقت کا کون ہے جز خدا"
سنا اس طرح کا جب اس نے کلام
لیا اپنا دل دونوں ہاتھوں سے تھام
دمِ سرد بھر بھر کے رونے لگا
دل و جاں کو ہاتھوں سے کھونے لگا
پری نے جو دیکھا اسے اشک بار
لگی آپ بھی رونے بے اختیار

یہ حالت بڑی دیر طاری رہی
کہ دونوں طرف آہ و زاری رہی
پھر آخر کو وہ عاشقِ بے قرار
گرا اس کے قدموں پہ بے اختیار
پری بھی تحمّل نہ کچھ کر سکی
اٹھا کر سر اس کا گلے لگ گئی
کہ میں تجھ سے جی میں نہیں کچھ خفا
یہ شکوہ زبانی فقط تھا مرا
ہے منظور بس مجھ کو تیری خوشی
خفا ہونے والی میں صدقے گئی
وہی مصلحت تھی جو تو نے کیا
میں عورت ہوں آخر مری عقل کیا
ہوا تجھ سے جو کچھ وہ مجھ کو قبول
نہ ہو تو ذرا اپنے دل میں ملول
ہزاروں ہوں گل رو اگر تیرے پاس
تُو ہے جان و دل سے مگر میرے پاس

القصّہ اسی طرح کے کلام آپس میں رہے، ہر گھڑی آدھر سے ناز تھا اس طرف سے نیاز۔ القصہ تاج الملوک نے اپنے قید ہونے کا اور چتراوت سے شادی کرنے کا ماجرا مفصل بیان کیا اور اس آئینہ رو کے دل سے غبارِ کدورت بالکل دھویا۔

اتنے میں صبح نمود ہوئی۔ تاج الملوک گھر گیا اور چتراوت کے پلنگ پر سو رہا۔

اسی طرح بلا ناغہ ہر شب بکاولی کے پاس جاتا تھا اور دن چتراوت کے ساتھ نقل اور حکایت میں کاٹتا تھا۔

وہ شہزادے کی ایسی حرکات سے نہایت حیران تھی اور

اپنے دل میں کہتی "یا الٰہی! یہ طرفہ ماجرا کیا ہے کہ باوجود اس قربت کے میرے دل کی آگ شہزادے کے پنبہ زار کو سلگاتی نہیں اور اس کے خرمن تحمل کو جلاتی نہیں۔ تعجب ہے کہ بے دل و دل آرام ایک گھر میں ہیں اور تفاوت پورب پچھم کا سا ہے!"

اے عزیز! جب تک تیرے دل کی آنکھیں اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہیں، تجھے یار کی صورت نظر نہیں آتی۔ ہر چند بے پردہ ہو، پہلے خار رغبتِ اغیار کو دل کی سر زمیں سے اکھاڑ کر پھینک دے، پھر گلِ رخسارِ یار کو آئینۂ دل میں دیکھ لے۔ اگر تو اپنے گلشنِ وجود کو بہ نظرِ تأمل دیکھے تو اس میں رنگ و بو کے سوا کچھ نہ پاوے۔

القصّہ ایک دن چتراوت نے شہزادے کا گلا اپنے باپ سے کیا اور اس کی بے التفاتی کا سارا حال کہا۔ راجا نے کئی جاسوس شہزادے کے پیچھے لگائے تاکہ اس بات کو جلد دریافت کریں کہ یہ تمام رات کہاں رہتا ہے۔

وہ اسی تلاش میں تھے کہ یہ اسی وقت پھر گھر سے نکلا اور اسی مندر میں گیا۔ رات بھر رہا، صبح ہوتے ہی پھر محل میں داخل ہوا۔

فوراً انھوں نے جا کر راجا سے عرض کی کہ شہزادہ فلانے مندر میں صبح تلک رہتا ہے۔ اس سیہ دل نے کئی سنگ تراش چالاک دست اسی وقت بھیجے کہ اس کو کھود کر پھینک دیں۔ انھوں نے بموجب حکم کے اس مندر کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر دریا میں ڈال دیا۔

تاج الملوک اپنی عادت پر جو وہاں گیا تو اس کا نشان بھی نہ پایا۔ دیوانوں کے مانند وہاں کی خاک پر لوٹنے لگا اور یہ رباعی پڑھنے لگا:

اے جان اگر کھوج ترا پاؤں میں
مر مر کے وہاں آپ کو پہنچاؤں میں
کچھ ہو نہیں سکتا ہے کروں کیا اے کاش
پھٹ جائے زمیں اور سما جاؤں میں

آخر ناامید ہو کر ڈاڑھیں مار مار کر رویا اور پھر آیا ۔

چند روز تو اس کو بے قراری کی لذت اور آہ و زاری کی کثرت رھی ۔ جب اس صنم کے وصل سے بالکل مایوس ھوا ، رونے کا بھی حاصل نہ دیکھا ، چتراوت کی جادو بھری باتوں پر دھیان کیا۔ غرض نسیم وار اس کے غنچہ اُمید کو شگفتگی بخشی[1]۔

# چوبیسویں داستان

## بکاولی کے پیدا ہونے کی کسان کے گھر میں اور تاج الملوک اور چتراوت کے ملنے میں اور پہنچنے میں ملک نگارین کے

کہتے ھیں کہ اس بت خانے کی زمین کو ایک کسان نے جوتا اور وھاں سرسوں بوئی ۔ تاج الملوک کبھی کبھی اس کے سبزے کو دیکھنے جاتا تھا اور اپنے دلِ بے قرار کو وھاں کے سبزے سے تسکین دیتا تھا ۔ جب وہ پھولی اور اس نے بہار پیدا کی ، تب شہزادہ وھاں دونوں وقت جانے لگا اور یہ رباعی پڑھنے لگا ۔

کیا رنگ تمھارا ھے کبھو پھولو تو
آتی ھے مجھے عشق کی اس رنگ سے بو
نکلے ہو زمیں سے اس لیے پوچھوں ھوں
گلشن سے مرے کچھ بھی خبر رکھتے ہو؟

---

۱ - یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ہے ۔

القصہ وہ کھیت پکا اور کسان نے کاٹ کر اس کا تیل نکالا ۔ از بس کہ کسانوں کا چلن یہ ہے کہ جو چیز کھیت میں آگتی ہے اس کو پہلے آپ کھاتے ہیں ، اس لیے وہ اس کی جورو کے کھانے میں آیا ۔ باوجود کہ وہ بانجھ تھی ، خدا کی قدرتِ کاملہ سے حاملہ ہوئی ۔

بعد نو مہینے کے لڑکی پری پیکر جنی ۔ کسان کا گھر بے چراغ اندھیرا تھا ، اس شمع کے پرتو سے روشن ہو گیا ۔ ہر طرف دھوم پڑی کہ ایک بانجھ کے گھر سرسوں کے تیل کی تاثیر سے ایک لڑکی نہایت حسین ایسی پیدا ہوئی ہے کہ اس کے حسن کی تحریر و تقریر کسی سے نہیں ہو سکتی ۔ اس کے مُنہ کی چمک نے چودھویں رات کے چاند کو ماند کر دیا ۔ جب چودہ برس کی ہو گی تب سورج کو بھی داغ دے گی ۔

رفتہ رفتہ یہ بات تاج الملوک کے بھی کان میں پڑی ۔ جانا کہ یہ تاثیر اسی سرسوں کی ہے ۔ کسان کو اس کی بیٹی سمیت بلوا بھیجا ۔

جوں ہی نظر اس کی لڑکی پر پڑی ، اس کی شکل اپنی معشوقہ کے مطابق پائی ۔ نہایت شاد ہوا ۔ سمجھا کہ یہاں اس نے جنم لیا ہے ۔ بہت سے روپے اس کسان کو دے کر رخصت کیا کہ اس لڑکی کو بخوبی پرورش کر ۔

جب وہ سات برس کی ہوئی ، ہر طرف سے اس کی شادی کے پیغام کسان کو آنے لگے ۔ وہ اس اندیشے سے کہ شہزادے نے اس کی پرورش کے واسطے تاکید شدید کی تھی ، خدا جانے آگے کیا اسے منظوری ہے ، ایسا نہ ہو کہ میری جان پر آ بنے ، سب کو صاف جواب دیتا تھا اور بہانا یہ کرتا تھا کہ جس وقت وہ سیانی ہو گی ، جسے پسند کرے گی اس کے ساتھ بیاہ دوں گا ۔

قصہ مختصر جب اس نے دسویں برس میں پاؤں رکھا، تاج‌الملوک نے اس دھقان کے پاس ایک مشاطہ کے ہاتھ یہ پیغام دیا کہ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دے۔

یہ سن کر وہ بیچارہ کانپنے لگا اور بولا کہ مجھ غریب عاجز کا یہ منہ کہاں کہ بادشاہ کے داماد کو اپنا داماد کروں۔ اس کا آخر یہی پھل ہوگا کہ میری بیٹی لونڈی ہو کر رہے گی۔ ہزار افسوس! ایسی سبھا سندر کو راجا کی بیٹی کی چیری بناؤں اور اس کے آگے اسے کمواؤں!" یہ سن کر لڑکی نے کہا "سنو بابا! میرا نام بکاولی ہے، میں پری ہوں، تم ایسے اندیشے نہ کرو، سب طرح خاطر جمع رکھو۔ کچھ وسواس نہیں کہ گلِ رنگین کی جگہ آخر سر پر ہے اور دُر بے بہا کا مکان شاہوں کا افسر ہے۔ تم شہزادے سے کہلا بھیجو کہ چندے اور بھی توقف کرے۔

کسان بے چارہ چپ رہا۔ مشاطہ نے آ کر سب ماجرا حضور میں عرض کیا۔ تاج‌الموک سنتے ہی مارے خوشی کے پھول گیا، سارا غم و الم بھول گیا اور اس کو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

جب بکاولی کے نحوست کے دن آخر ہوئے، سیکڑوں پریاں چاروں طرف سے وہاں آئیں۔ سمن رو پری بھی پوشاک پُر تکلف اور جواہراتِ بیش قیمت لے کر مع تختِ زرّیں آ کر حاضر ہوئی۔

بادشاہ زادی نے کپڑے بدلے، گہنا پہنا۔ جب بن ٹھن چکی، ماں باپ سے کہا کہ میں اتنے دنوں تمھارے گھر مہمان تھی، اب رخصت ہوتی ہوں۔ باپ کا ہاتھ پکڑ کے اس کے مکان کے پچھواڑے لے گئی اور اشرفیوں کا دیگچہ کسی زمانے کا گڑا ہوا بتا دیا کہ اس کو نکال کو اپنے خرچ میں لا۔ پھر رخصت ہوئی اور تخت پر سوار ہو بیٹھی۔

پریاں فی‌الفور اس کو اٹھا کر لے اڑیں اور جس جگہ کہ تاج‌الملوک ، چتراوت اور نرملا اور جھیلا کو لیے بیٹھا تھا ، آ کر آتریں ۔

بکاولی نے سب کو وھیں چھوڑا ۔ آپ اکیلی اندر گئی اور چتراوت کا ھاتھ پکڑ کر بہنوں کی طرح گلے لگ گئی ۔ وہ اس کی سج دھج دیکھ کر بے حواس ھوئی کہ مسند سے دب کر بیٹھی ۔

پھر پری نے تمام اپنی سرگزشت شہزادے سے کہی اور اس کی سنی ۔ پھر چتراوت سے کہا کہ اگر شہزادے کی رفاقت منظور ھے تو بسم‌اللہ ، اٹھ کھڑی ھو ، وہ تمھارا گھر ھے ، کچھ اندیشہ نہ کرو ۔

چتراوت نے کہا ”میری جان شہزادے کے ساتھ ھے، پھر اس جسم خالی کو کیوں کر رکھ سکوں گی ، بہ دل حاضر ھوں ۔

اس وقت بکاولی نے پریوں کو اشارے سے کہا کہ تم ظاھر ھو ۔

نقل کرتے ھیں کہ چپہ بھر زمین سنگلدیپ کی پریوں سے خالی نہ رھی ۔ شہر میں دھوم پڑ گئی ، لوگ گھبرائے ، یہاں تک کہ راجا مضطرب ھو کر بیٹی کے محل میں دوڑا آیا ۔

دیکھتے ھی اس کو شہزادہ استقبال کے واسطے اٹھ کھڑا ھوا اور چند قدم آگے بڑھا اور اپنی مسند پر بٹھایا ۔ پھر اپنا اور بکاولی کا احوال مفصل کہ کر سنایا ۔ وہ پہلے تو بہت کڑھا ، پھر نہایت خوش ھوا ۔ پھر چتراوت کا ھاتھ پکڑ کر بکاولی کے ھاتھ میں دیا اور کہا کہ میری اکلوتی بیٹی ھے ، تیری پرستاری کے واسطے دیتا ھوں ، توقع کہ اس پر نظر مہربانی رکھیو اور اپنی لونڈی جانیو ۔

یہ کہ کر رخصت کیا ۔

تاج‌الملوک تخت پر سوار ھوا ۔ بکاولی اور چتراوت داھنے

بائیں بیٹھیں اور نرملا اور جھیلا ادب سے سامنے - پھر پریاں تخت کو لے کر اڑیں ، بات کی بات میں تاج الملوک کی ڈیوڑھی پر جا کر رکھ دیا ۔

بکاولی اور چتراوت جو اندر گئیں ، زین الملوک کے وزیر کا بیٹا بہرام نام کہ ملکِ نگاریں اور باغ اور قصر کا علاقہ اسی کا تھا ، نذر لے کر دوڑا آیا اور آداب بجا لا کر اپنا نام و نشان بتایا ۔ تاج الملوک نے اس پر بہت سی نوازش فرمائی ، نذر لی ، خلعت دیا ۔ پھر دولت خانہ میں داخل ہوئے ۔

دلبر اور محمودہ دیکھتے ہی شہزادے کو نہایت خوش ہوئیں پھر بکاولی اور چتراوت سے خوشی خوشی ملیں ۔

# پچیسویں داستان

## تاج الملوک کے نامہ لکھنے میں فیروز شاہ اور مظفر شاہ اور اپنے باپ کو اور آنے میں تاج الملوک کی ملاقات کو اور روح افزا پر عاشق ہونا بہرام کا

مصور نگارستانِ عشق کا اس داستان کی تصویر صفحۂ کاغذ پر یوں کھینچتا ہے کہ تاج الملوک نے فیروز شاہ اور مظفر شاہ اور زین الملوک کو مژدہ اپنے پہنچنے کا لکھ بھیجا ۔

اس کو پڑھ کر ہر ایک کا دل تر و تازہ ہوا ۔ فیروز شاہ اور جمیلہ خاتوں بڑی تزک سے شرقستان آئے اور مظفر شاہ ، حسن آرا اور روح افزا کو ساتھ لے کر اسی تجمل سے روانہ ہوا اور زین الملوک بھی خاص محل کو ہمراہ لے کر بڑے کرّ و فر ، فوج اور لشکر سے چلا ۔

غرض تھوڑے دنوں میں ملکِ نگاریں میں آ پہنچا ، اور اس گرد و نواح میں انسان اور پری زاد کی ایسی کثرت ہوئی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی ۔

بارے تاج الملوک اور بکاولی کے دیدار سے سب مسرور ہوئے اور ہر ایک کے دل سے سارے رنج و الم دور ہوئے ۔ تین روز تک جشن رہا ، ناچ راگ دن رات ہوا کیا ۔

چوتھے دن ہر ایک شاد و خرم رخصت ہو کر اپنے اپنے ملک کو روانہ ہوا ، مگر بکاولی نے روح افزا کو نہ چھوڑا کہ چندے اور بھی اس کی صحبت سے حظ زندگانی اٹھائے اور ایامِ جدائی کی سختیاں سب دل سے بھلائے ۔ عقیق کا دالان اس کی خواب گاہ کے واسطے مقرر کیا ۔ وہ پری پیکر اس حور سرشت کے ساتھ پہر رات گئے تک سر گرم گفتگو رہتی تھی ، پھر خواب گاہ میں جا کر سو رہتی تھی ۔

ایک رات کی نقل ہے کہ روح افزا کی چوٹی سوتے میں کھڑکی سے باہر جا پڑی تھی ، اس کی موباف میں ایک گوہرِ شب چراغ چمک رہا تھا ۔ بہرام بھی اسی وقت چاندنی کی سیر کرتا ہوا ادھر جا نکلا ۔ جب کہ نگاہ اس پر جا پڑی ۔ پہلے تو سمجھا کہ کالا اپنا مَن منہ میں لیے چڑھا جاتا ہے ، پھر غور سے جو دیکھا تو معلوم کیا کہ کسی کی چوٹی میں لعل چمک رہا ہے ۔ جی میں سوچا کہ شاید بکاولی یہاں سوتی ہو اور اس کی چوٹی لٹک رہی ہے لیکن دل اس کا تمام رات پیچ و تاب کھاتا رہا ۔

آخر رہ نہ سکا ، صبح کو سمن رُو پری سے پوچھا کہ فلانے مکان میں کون سوتا ہے ؟

اس نے کہا کہ روح افزا کی خواب گاہ ہے ۔

سنتے ہی اس کے عشق کا سودا بہرام کے سر میں پیدا ہوا اور

اس کی زنجیر زلف ڈھونڈھنے لگا ۔ چنانچہ دوسرے دن آدھی رات کے وقت کمند مار کر اس مکان میں جا آترا اور دالان کے اندر بے تابانہ چلا گیا ۔

دیکھتا کیا ہے کہ وہ رشکِ زہرہ ایک سونے کے پلنگ پر ناز سے سوتی ہے ۔ یہ کیفیت اس کی دیکھ کر کیفیوں کی مانند بے خود ہو گیا ۔ اس نے تو کبھی اس شراب کو نہ چکھا تھا ۔ اس کا نشہ سنبھال نہ سکا[1] ۔

فوراً اس کی آنکھ کھل گئی ، دیکھا کہ بہرام ہے، اگرچہ اس کا سنگِ عشق اس کے شیشۂ دل کو بھی چور کر چکا تھا ، لیکن اتنی چالاکی اور بے باکی اس کی طبعِ ناز کو خوش نہ آئی اور بہت سا جھنجھلائی ۔ آخرش طمانچہ مار کر ایسا دھکا دیا کہ کھڑکی سے نیچے گر پڑا اور زار زار روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا ۔

صبح ہوتے ہی روح افزا نے بکاولی سے رخصت مانگی ، اس نے ہر چند سماجت اور منت کی کہ چند روز اور بھی رہو، روح افزا نے نہ مانا ، اس واسطے کہ اگر رات کی بات ظاہر ہوگئی تو بکاولی مجھے ہنسی میں لے گی اور چھیڑے گی ۔

آخرش نہ ٹھہری اور جزیرۂ فردوس کی راہ لی ، لیکن بہرام کے عشق سے دن کو چین سے نہ بیٹھتی تھی ، اور رات کو ایک دم آرام سے نہ سوتی تھی ، بلکہ اکثر اوقات شمع فانوس کی مانند روتی تھی ، اور ساعت بہ ساعت سمومِ غم سے مرجھاتی تھی ، اور اپنی نرگسِ مخمور میں گھڑی گھڑی آنسو بھر لاتی تھی ۔

سچ ہے کہ جو کوئی دیدۂ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی بے تابی معشوق میں زیادہ دیکھے ۔ یہ وہ گروہ ہے کہ

---

۱ - یہاں سے ایک جملہ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ہے ۔

کسی کے گلے میں کمندِ عشق ڈال کر دور سے اپنے حضور میں کھینچ لے اور کسی کو فلاخنِ ہجر سے دور پھینک دے۔

# چھبیسویں داستان

## بہرام کے جزیرۂ فردوس میں پہنچنے کی سمن رو پری کی مدد سے اور روح افزا سے ملنے میں بنفشہ کی توجہ سے

کہتے ہیں کہ بہرام روح افزا کے فراق سے یہاں تک نحیف ہو گیا کہ دبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے، لیکن اس بات کی سمن رو کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی۔ چنانچہ وہ مُدام اس کو نصیحت کرتی تھی کہ اے بہرام! اس خیال خام سے در گزر اور اپنے دل سے یہ اندیشۂ فاسد دور کر، کیوں کہ غیر جنس کا شجرِ محبت سوا فراق کے کچھ ثمر نہیں دیتا۔ خاک میں ملے ایسی دوستی جس سے ہمیشہ خرابی اور اضطرابی جی کو رہے، اور ناحق ایک بے پروا کے پیچھے دکھ اور درد سہے۔ تو تاج الملوک کی بات پر نہ جا کہ نادر ہے، اتفاق ہو گیا کہ بکاولی کی طبیعت اس پر آ گئی، واِلّا آدمی اور پری میں کیا مناسبت، لطیف اور کثیف میں مُلاقات کی کون صورت؟

لیکن بہرام چپکا سنا کرتا تھا، کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مگر یہ بیت پڑھتا تھا:

نصیحت کرتی ہو ناحق تم اتنی نہیں جانے کی زنگی سے سیاہی

جب سمن رو نے دیکھا کہ خارِ عشق بہرام کے جگر میں ایسا چبھا ہے کہ اس کا نکلنا بہت دشوار ہے، کہا "اے

خود فراموش ! اس مہم میں مجھ سے تیری مدد اور تو کچھ نہیں ہو سکتی ، لیکن اگر تو کہے تو میں جزیرۂ فردوس میں تجھے پہنچا دوں ، پھر آگے تیری قسمت ہے "۔

وہ اس بات پر بہ خوشی راضی ہوا ۔ تب سمن رو نے اس کو زنانے کپڑے اور گہنا جس قدر مناسب تھا پہنایا ۔ بہرام امرد تھا ہو بہو ایک رنڈی پیکر بن کر اڑ چلا ۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر جزیرۂ فردوس کو لے اڑی اور اپنی منہ بولی بہن کے گھر میں کہ اس کا نام بنفشہ تھا اور وہی مشاطۂ روح افزا تھی جا کر آتری ۔

وہ سمن رو کے آنے سے نہایت مسرور ہوئی اور پوچھنے لگی کہ یہ نوجوان لڑکی تمھارے ساتھ کون ہے ؟ اس نے کہا کہ یہ میری دینی بہن ہے ، اس کا جی اس سرزمین کی سیر کو چاہتا تھا ، اس واسطے میں تمھارے پاس لائی ہوں ۔ اسے خوب طرح سیر کراؤ ، تماشے دکھاؤ ۔

اس نے کہا "بہت اچھا، آنکھوں سے"۔

پھر سمن رو رخصت ہو کر بکاولی کے پاس آئی اور بہرام بنفشہ کے گھر میں رہا ۔ وہ اسے دنیا کی نعمتیں کھلاتی تھی ، شفقت اور مہربانی سے دن کو ہر ایک باغ میں لے جاتی تھی اور سیر دکھاتی تھی ، شام کے وقت گھر آتی تھی ۔ پھر اپنی مشاطگی کا اسباب لے کر روح افزا کی خدمت میں جا کر حاضر ہوتی تھی ۔اسی طرح چند روز گزرے ۔

ایک روز بنفشہ کہیں گئی تھی ، بہرام نے جو گھر خالی پایا اس کی مشاطگی کے اسباب میں سے آئینہ نکال کر اس کی پشت پر یہ شعر لکھے اور اسی جگہ رکھ دیا :

روشن نہ تھا یہ کچھ رخِ نیکوئے آئنہ
چمکا ہے تیرے عکس سے کیا روئے آئنہ

مشاطہ آئینے کو ترے آگے با ادب
بٹھلاتی ہے جو کھینچ کے زانوئے آئنہ
غیرت یہ کہتی ہے کہ اسے چور کیجیے
کیوں دیکھا تو نے جان جہاں سوئے آئنہ
سنمکھ جو تجھ سے ہوئے کسی اور طور سے
نظروں سے گر پڑے رُخ دل جوئے آئنہ
آئینہ ایک دم نہ ٹھہرتا ترے حضور،
باندھا ہے عکس زلف نے بازوئے آئنہ

الغرض بنفشہ اپنے وقت پر مقابہ اور سنگار دان لے کر روح افزا کے پاس جا کر حاضر ہوئی پھر کنگھی اور چوٹی کر کے آئینہ جو اس کے ہاتھ میں دیا، شہزادی کی نظر جو اس کی پشت پر جا پڑی، نوشتہ دیکھا اور اس کو پڑھ کر معلوم کیا کہ ہر چند راقم اس کا بہرام کے سوا کوئی نہیں، لیکن اس بات کو اس طرح دریافت کیجیے تا اس کے آنے کا یقین ہو جائے اور دغدغہ نہ رہے۔ مشاطہ سے یوں مخاطب ہوئی۔ ''اے بنفشہ جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے اور وہ شے جو مدام غم کے ساتھ ہے، کون شے ہے؟''

اس نے ہر چند غور کیا، لیکن جواب نہ سوجھا۔ عرض کی کہ اس کا جواب لونڈی کل دے گی، اس وقت معاف کیجیے۔

یہ کہ کر گھر آئی مگر اس پہیلی کے بوجھنے میں نہایت متفکر تھی۔ اس کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھ کر بہرام نے پوچھا ''ہوا آج اتنی بے حواس کیوں ہو؟''

تب بنفشہ نے سوال روح افزا کا اس کے سامنے بیان کیا اور کہا ''مجھ کو اس کے جواب میں اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا

یعنی اس حکیم مطلق کا نیرنگ دوام ہے اور شادی غم سے وابستہ مُدام ہے ۔

بہرام نے یہ سن کر کہا ''اس سوال کا یہ جواب ہرگز نہیں ، بلکہ یہ ہے ''جس عاشق کے منہ پر معشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگے ہیں ، وہ ہمیشہ سرخ رو ہے ۔ اور مدام ناخوشی سے تلخ کام وہ ہے کہ جس کا مطلوب محجوب ہے اور وہ ہر ایک کو اپنا محبوب سمجھتا ہے ۔ نقل مشہور ہے کہ مجنوں سے پوچھا کہ خلافت پیغمبرؐ کی ، بعد خلفائے راشدین کے حق کس کا تھا ؟ اس نے جواب دیا کہ لیلیٰ کا''۔

القصّہ بنفشہ نے اسی کا جواب دیا ہوا صبح کو روح افزا کے حضور میں جا کر عرض کیا ۔ سنتے ہی اسے بہرام کے آنے کا یقین ہوا ۔ پوچھنے لگی ''سچ کہ یہ جواب کس نے دیا ؟''

اس نے ہر چند کہا ''رات کو میرے خیال میں گزرا تھا ''۔ لیکن پری نے ہرگز نہ مانا ۔ بنفشہ نے مجبور ہو کر کہا کہ سمن رو پری اپنی منہ بولی بہن کو اس سر زمین میں سیر کے واسطے میرے گھر چھوڑ گئی ہے ، اس نے یہ جواب مجھ کو سکھایا ہے :

روح افزا نے کہا ''اس کو ہمارے پاس کبھی نہ لائی ؟ بھلا آج تو ساتھ اپنے لیے آئیو ، ایک ذرا میں بھی دیکھوں ''۔

اس نے کہا ''بہت اچھا ، اس کی اور میری دونوں کی سعادت ہے ''۔

چنانچہ شام کے وقت بہرام کو پہنا اڑھا کر اپنے ہمراہ لے گئی ۔ روح افزا نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ بہرام ہے ، لیکن اغماض کیا اور کچھ متوجہ نہ ہوئی ۔ وہ سمجھا کہ اس نے اب تک مجھے نہیں پہچانا ، شاید آئینے کی پشت نہیں دیکھی اور میرا

لکھا ملاحظہ نہیں فرمایا ۔

قصہ کوتاہ ، جب بنفشہ چوٹی گوندھ چکی ، شہزادی نے آئینہ مانگا، بہرام نے جلدی سے اٹھا کر اس کو پشت کی طرف سے دکھایا۔ وہ غنچہ دہن بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بنفشہ سے کہنے لگی کہ تمھاری بہن نہایت کوڑ ہے کہ اب تک آرسی کی پشت و رو نہیں جانتی ۔ آج کی رات اسے یہاں چھوڑ جاؤ۔ ہم اس کے ساتھ ہنسیں ، بولیں ، چھلیں کریں ۔

اس نے عرض کی ''میری عین خوشی اور اس کی سراسر سر فرازی ہے ''۔

یہ کہ کر وہ تو اپنے گھر آئی اور یہ دل آرام کے خلوت خانے میں رہا ۔

اے عزیز ! اگر بہرام زنانہ لباس نہ پہنتا تو ہرگز اپنی معشوقہ سے اتنا جلد نہ ملتا اور اپنے مطلب کو نہ پہنچتا ۔ فی الواقع جو عاشق کہ معشوق کا رنگ پکڑتا ہے ، معشوق خود اس کا عاشق ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس وضع کا کلام فرمایا ہے ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ خدا کی پیروی کرو تا قربت اس سے حاصل ہو ۔

جب امورِ عالم کے انتظام دینے والوں نے نقابِ ظلماتی سے چہرۂ روز کو چھپایا اور چادرِ مہتاب کا فرشِ نورانی سطح زمین پر بچھایا ، روح افزا پریوں کی مجلس سے اٹھ کر خلوت سرا میں آئی ۔ بہرام کو اکیلا لے کر بیٹھی اور آشنا صورت نے اجنبیوں کی طرح سر رشتۂ سخن نکالا ''کہو بی، تمھارا نام کیا ہے ؟''

اس نے کہا ''کوچۂ ننگ و نام تو مجھ سے کب کا چھوٹ چکا ہے ، تیرے نام کے سوا کچھ یاد نہیں'' ۔

پری نے پوچھا کہ یہاں کس واسطے آئی ہو ؟

جواب دیا کہ پروانے کے آنے کا سبب شمع پر بخوبی روشن ہے ، اس سے پوچھا چاہیے ۔

بہرام کی میٹھی میٹھی باتوں سے تو بہت محظوظ ہوئی ، لیکن ظاہر میں ترش رو ہو کر بولی ''اے مکرہائی عیارنی ! تیری باتوں سے میں نے پہچانا کہ تو رنڈی نہیں بلکہ مردوا ہے ۔ یہ بھگل نکال کر تو یہاں در آمد ہوا ہے ۔ میرے ناموس کو برباد کیا ۔ دیکھ تو اس دلیری کی کیا سزا دیتی ہوں اور اس ڈھٹائی کا بدلہ کیسا لیتی ہوں ''۔

وہ ناکردہ کار ، نیش اور نوشِ رنج اور حلاوت سے واقف نہ تھا ، ناز و نیاز کے بھید اس پر نہ کھلے تھے ، اس کے علاوہ طمانچوں کا صدمہ آگے اٹھا چکا تھا ، وہ ناز کی باتوں کو سچ سمجھا ۔ یقین ہوا کہ پھر مار کھاؤں گا اور نکالا جاؤں گا ۔ مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا اور اس شعر کو پڑھ کر بے ہوش ہو گیا :

کر قتل کہ تیرے آگے مرنا
بہتر ، نہ کہ دور زندگانی

پھر تو پری زاد سہم گئی کہ مبادا ڈر سے اس کی جان پر آ بنے اور جفا کاروں میں میرا نام لکھا جائے ۔ غرض بے اختیار دوڑ پڑی اور اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ کر رخِ گل فام کی بو یہاں تک سونگھائی کہ اس کو پھر ہوش میں لائی ۔

اے عزیز ! اگر تو اپنے نور عقل کو حکمتوں سے زیادہ نہ چمکائے گا تو تجلیِ یار سے فائدہ نہ پائے گا ۔ اگر تو یہ ہستیِ موہوم نہ چھوڑے تو حیاتِ ابدی کب تیرے ھاتھ آئے ۔ جو راہ عشق میں آپ سے نہ گزرا ، وہ منزل مقصود میں کب پہنچا ۔

القصہ بہرام نے جو آنکھ کھولی تو اپنا مرتبہ برنگِ گل

دیکھا اور محبوبہ کا مثلِ بلبل ۔ مارے خوشی کے پھول گیا اور اگلی پچھلی باتیں بھول گیا[1]۔

روح افزا کا یہ جی لگا کہ ایک ساعت اس سے جدا رہنا دشوار ہوا ۔ پھر یہ ارادہ کیا کہ اس کو حرز جان کی طرح گلے لگائے رکھیے، مگر دشمنوں کی نظر سے چھپائے رکھیے ۔ آخر ایک طلسم اس کے گلے میں باندھا اور قمری بنا کر ایک سونے کے پنجرے میں رکھا ۔ پھر تو وہ سروِ گل اندام سامنے لٹکائے رکھتی تھی ، رات کو پنجرے سے نکال کر پھر آدمی بناتی تھی[2]۔

چند مدت اسی طرح گزر گئی اور یہ بات چھپی رہی۔ آخر ِعشق اور مشک بے ظاہر ہوئے نہیں رہتا ۔ کچھ بو باس یہاں کی حسن آرا تک پہنچی ، ایک دن نور کے تڑکے اس کی سن گن لینے آئی ۔ جب روح افزا کے پاس آ نکلی ، دیکھا کہ اس کی زلفِ مشکیں کا طور بے طور ہے اور سیب زنخداں کا رنگ اور ہے، نسرین رخسار کی رنگت گل سی اور نرگسِ نیم خواب کی کیفیت جام سی دیکھی[3]۔ دوڑ کر غصے سے ایک دوھتڑ پیٹھ میں مارا اور کہنے لگی ''اری علامہ! کل کا نام ڈبویا! کیا غضب کیا تو نے ، کنوارے میں کسی سے آنکھ لگائی ، تجھے غیر مردوے سے حیا نہ آئی ؟ حیف تیری زیست پر ، چپنی بھر پانی میں ڈوب مر ، تیری رسوائی کا نقارہ بج گیا ، تو نے باپ کا نام خراب کیا ۔ سچ کہ یہ کیا ماجرا ہے ، نہیں تو تیرا گلا گھونٹ ڈالوں گی اور جیتا نہ رکھوں گی''۔

روح افزا مارے ڈر کے تھر تھراتی اور کہتی تھی ''اماں تمھارے سر کی قسم جو میں نے کسی مردوے کو دور سے

---

۱ - یہاں سے چند فقرے بر بنائے کثافت حذف کیے گئے -
۲ - یہاں سے ایک فقرہ بر بنائے کثافت حذف کیا گیا ۔
۳ - یہاں سے کچھ عبارت بر بنائے کثافت حذف کر دی گئی ہے ۔

بھی دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں - یہ فقط تہمت ہے اور صاف بندش ہے - تم کیسی ماں ہو کہ بیٹی کو عیب لگاتی ہو اور لوگوں کے کہے سنے پر جاتی ہو"۔

غرض اس نے ہر چند سخت قسمیں کھائیں اور بہتیری باتیں بنائیں مگر اس نے باور نہ کیا، بلکہ درپے ہوئی کہ جس چور نے اس گھر میں کونبھل دی ہے اسے پکڑا چاہیے اور اچھی طرح سزا کو پہنچائیے -

ہزاروں جاسوسوں عیاروں نے زمین آسمان کو ڈھونڈھ مارا لیکن گھر کے پنجرے کا بھید کسی پر نہ کھلا -

اے عزیز! تو عرش در کس کے ڈھونڈھنے کا ارادہ رکھتا ہے - جو تیرے خانہ دل میں ہے اس کی تو تجھے خبر نہیں - واہ واہ دور کا دھیان اور نزدیک آپ سے انجان :

کون ہے گھر میں جب اتنی بھی نہیں تجھ کو خبر
پھر تو یہ کیا جانے، کیا ہے اوجِ بامِ چرخ پر

القصہ حسن آرا نے جستجو کر کے روح افزا کی خواصوں کو دھمکایا اور مظفر شاہ کے غضب سے ڈرایا - تب ایک خواص کہ اس کا نام گل رخ تھا، اس کے نزدیک آ کر یوں کہنے لگی "اس خلوت سرا کا بھید ہم پر کیوں کر کھلے، نہ وہاں تک گزارا نہ دیدۂ باطن بینا :

اس کے منہ کو دیکھنے کو دیدۂ دل چاہیے
چشمِ ظاہر بیں ہماری دید کر سکتی ہے کب

لیکن ان دنوں ہماری صاحب زادی صبح و شام اس قمری سے مشغول رہتی ہے اور اس کے پنجرے کو ایک دم آنکھ سے اوجھل نہیں رکھتی - ظاہر میں تو یہ پرندہ ہے اور باطن کی ہم کو خبر

نہیں - بس اپنا طائر قیاس آگے نہیں اڑ سکتا ، مگر ملکہ اڑتی چڑیا پہچانتی ہے ، اس کی کنہ سمجھ لے۔

اے نادان! انسان کہ بہ سبب علاقہ روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آتا ہے - جب تک یہ مربع طلسم عناصر اس کے گلے میں پڑا ہے اور قفس وجود میں طوق بندگی اس کا گلو گیر ہے ، چشم ظاہر بیں مشت خاک کے سوا کچھ نہیں دیکھتی - جس دن یہ طلسم ٹوٹ گیا ، کیفیت کھل جائے گی کہ وہ کون ہے اور یہ نیرنگ کیا ہے - چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے ''جب لوگ مریں گے اس حال سے آگاہ ہوں گے ''۔ وجود مطلق ایک دریا ہے اور ہر موجود مثل حباب ہے - جب حباب سے ہوا نکل گئی ، دریا کے سوا کچھ نہیں - پس تامل سے دیکھ کہ اصل ہستی دریا کی ہے ، لیکن فرق مرتبے کا البتہ ہے ، حباب کو کوئی دریا نہ کہے گا اور دریا کو حباب اور کعبہ کو قبلہ کہتے ہیں اور بت خانے کو کنشت ، جہنم کو دوزخ اور جنت کو بہشت :

هر مرتبے میں اور هی حکم وجود ہے
زندیق ہے جو حفظ مراتب کرے نہ تو

واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسائل ہے - بہتیرے اس بحر عمیق میں گر کے مذہب جبری کے بھنور میں جا پڑے اور اکثر مسلک دہری کے گرداب میں ڈوبے - ہادی یہاں فضل الٰہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہیں -

قصہ کوتاہ حسن آرا نے روح افزا کی نشست گاہ میں جا کر پنجرے کو اتار لیا اور ارادہ لے جانے کا کیا - روح افزا اس کو شاہین کے چنگل میں دیکھ کر کلیجہ پکڑ کر رہ گئی - منہ سے تو مارے لحاظ کے بول نہ سکی پر طائر روح قفس تن میں تڑپنے لگا - ہر چند تڑپا لیکن صیاد قضا و قدر کے ہاتھ سے نہ چھوٹا -

غرض اس بے پر کو وہ پری لے اڑی اور مظفر شاہ کے روبرو اس کا پنجرہ جا کر رکھ دیا ۔

شاہ نے نکال کر اس کے بال و پر تمام ٹٹولے ۔ آخر گلے پر جو ہاتھ پڑا تو ایک تعویذ بندھا نظر آیا ۔ اس کو کھولا ، بہرام آدمی ہو گیا ۔ حاضرینِ مجلس سخت متعجب ہوئے ۔ شاہ آتشِ غضب سے جل کر کباب ہو گیا ، کہنے لگا ''اے بد ذات ! نابکار ، تو غضبِ سلطانی سے نہ ڈرا اور اپنے جی میں کچھ نہ سوچا ۔ سچ کہ اس دیار میں تجھے کون لایا اور بادشاہوں کے محل میں کس نے پہنچایا ؟ اب اس ڈھٹائی اور بے پروائی کا ثمرہ تو ہلاکت کے سوا کچھ نہ پائے گا اور اس کی سزا میں جان سے جائے گا ''۔

بہرام بولا ''عاشقوں کا رہنما جذبۂ اشتیاق ہے اور انہیں کے سزا وار تکلیف مالا یطاق ہے ۔ عشق کی زنجیر وہ نہیں کہ کوئی آپ سے پاؤں میں ڈالے اور بہ اختیار گرفتار ہو ۔ عاشقوں نے رشتہ رشتۂ اختیار سے توڑا ہے اور بے اختیاری سے جوڑا ہے ۔ جس نے زندگی سے ہاتھ دھوئے اسے موت سے کیا خطر ہے اور جان کی کیا پرواہ ہے ۔ مگر حسرتِ دیدار میرے جی میں رہے گی اور گور میں جوئے خون آنکھوں سے بہے گی :

موت سے ہرگز نہیں ڈرتا نہ کچھ غم ہے مگر
گل رخوں کی دید سے محروم میں رہ جاؤں گا

آخر مظفر شاہ کا شعلۂ غضب ایسا بھڑکا کہ لوگوں سے فرمایا ''اس آتش کے پرکالے کو جلد شہر سے دور لے جا کر آگ میں ڈال دو اور جلا کے خاک سیاہ کر دو ''۔

اتفاقاً تاج الملوک اور بکاولی گلستانِ ارم کی سیر کو آتے تھے ۔ جس مقام سے کہ جزیرۂ فردوس نزدیک رہ جاتا ہے ، وہاں

پہنچے - جی میں آیا کہ چلو. روح‌افزا کو بھی دیکھیں اور دو دن وہاں کی سیر کریں -

القصہ جزیرۂ فردوس کی طرف پھرے اور وہاں آ نکلے جہاں لکڑیوں کا انبار لگا تھا اور بہرام اس پر بیٹھا تھا، بلکہ چاروں طرف سے آگ دے چکے تھے -

جوں ھی بکاولی نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور آگ بھڑکی ہوئی اسے نظر پڑی ، تخت اپنا قریب لے جا کے پوچھنے لگی ''یہ کیا ھنگامہ ھے ؟''

کوئی بول اٹھا کہ روح‌افزا کے عاشق کو جلاتے ھیں -

سنتے ھی اس بات کے، تخت سے اتر کر آگے بڑھی۔ کیا دیکھتی ھے کہ بہرام ھے - فی‌الفور بکاولی نے کہا ''جلد اس آگ کو بجھا دو اور اس جوان کو نکالو۔ اگر اس کا ایک رواں جلا تو سیکڑوں کے سر جلاؤں گی، بلکہ اس کا گھر خاک میں ملاؤں گی ''۔

لوگ ڈر گئے اور آگ کو بجھا دیا اور بہرام کو نکال کر شہزادی کے حوالے کیا - وہ اس کو ھمراہ لے کر ایک باغ میں جا اتری - پھر تاج‌الملوک اور اسے وہاں چھوڑا ، آپ مظفر شاہ اور حسن آرا کے پاس گئی -

جھک کر سلام کیا - انھوں نے اس کا سر چھاتی سے لگایا - خیر و عافیت پوچھی اور آنے کی حقیقت - بکاولی نے کہا کہ میرا بے اختیار آپ کے اور چچی جان کے دیکھنے کو جی چاھتا تھا ، اس کے سوا خیرت ھے - لیکن راہ میں عجیب ماجرا دیکھا ھے کہ میرے سسر کے وزیر زادے کو لوگ جلایا چاھتے تھے - اگر میرے آنے میں ایک دم کا وقفہ ھوتا تو وہ جل کر راکھ ھو جاتا اور ماں باپ کو دنیا سے کھو جاتا - اگرچہ مرنا سب کا برا ھے ، خصوصاً ایسے جوان شکیل کا۔ فی‌الواقع تقصیر بھی ایسی ھوئی تھی -

لیکن اس طرح کی سزا فائدہ نہیں رکھتی ۔ جو کچھ ہونا تھا سو ہو چکا ۔ میں نے فرض کیا کہ آپ نے اسے مار ڈالا لیکن کلنک کا ٹیکا تو نہ مٹے گا ۔ اب سو جانتے ہیں ، پھر ہزاروں جانیں گے ۔ اس سے یہ بہتر ہے کہ اس کی تقصیر معاف کیجیے اور روح افزا کو اس کے ساتھ بیاہ دیجیے ۔ کیونکہ بہرام نہایت طرح دار اور قابل ہے ۔ کچھ مضائقہ نہیں ، وزیر اور بادشاہ میں ہمیشہ سے رشتہ ہوتا آیا ہے ۔ اور جو آپ انسان کو حقیر جانتے ہیں تو پھر مجھ کو کیوں تاج الملوک کے ساتھ بیاہا ۔ بیٹی اور بھتیجی میں کیا فرق ہے ؟"

مظفر شاہ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور کہا "بہت بہتر مختار ہو "۔

پھر وہاں سے روح افزا کے پاس آئی ۔ دیکھا کہ وہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے سر جھاڑ منہ پھاڑ بنائے بیٹھی ہے ۔ ہنس کر کہنے لگی "واہ واہ ری گھسکی ! کہاں جا کر سرنگ لگائی ۔ پناہ مانگیے تجھ سے اور ڈریے تیرے دیدے سے ۔ بس اٹھ کھڑی ہو ، ہنس بول، کپڑے بدل، حجرے سے باہر نکل، میں تیرے چاہنے والے کو سلامت لے آئی ہوں ۔ اب کوئی دن میں دل کھول کر ملیو اور ہمیشہ عیش کیجیو "۔

روح افزا بہن کی باتوں سے مسکرا کر اٹھ بیٹھی اور بلائیں لے کر گلے سے لپٹ گئی ۔

رات کی رات بکاولی وہاں رہی ۔ صبح کے وقت روح افزا کو مظفر شاہ اور حسن آرا کے پاس لے گئی ۔ تقصیر معاف کروائی ۔ پھر اس کو مائیوں بٹھا کر تاج الملوک اور بہرام کو لے کر جزیرۂ ارم میں جا کر پہنچی اور یہ ماجرا من و عن اپنے ماں باپ کے گوش گزار کیا ۔ پھر ان سے درخواست کی کہ وہ جس دھوم سے تاج الملوک کو بیاہنے آئے تھے، اسی طرح تم بھی بہرام کو بیاہنے لے چلو اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرو ۔

چنانچہ انھوں نے ویسی ہی مہمان داری اور تیاری اندر باہر کی اور تجمل سے بہرام کو خلعتِ شاہانہ اور جواہر پہنا کر پھولوں کا سہرا باندھ کر بڑے کر و فر سے جزیرۂ فردوس کو روانہ ہوئے۔

وہاں کی تیاری کا کیا کہنا ہے۔ پری کے بیاہ کا تجمل زبان کیا بیان کرے اور قلم کب لکھ سکے۔ غرض مظفر شاہ کی طرف کے لوگوں نے براتیوں کو اور دولھا کو لے جا کر نہایت عظم و شان سے مجلس نشاط میں بٹھایا اور زنانی سواریوں کو اسی وضع سے آتروا کر بڑی تعظیم و تواضع سے حسن آرا کے علاقہ دار مجلس انبساط میں لے آئے۔

پھر رات تک تو اندر باہر ناچ رنگ کی صحبت رہی، آتش‌بازی انواع و اقسام کی چھوٹا کی۔ پھر اپنے خاندان کے چلن کے موافق اس پری پیکر کا نکاح اس رشک قمر کے ساتھ بندھوایا۔ ہار اور پان دینے کے بعد نوشہ کو ریت و رسم کے واسطے محل میں بھجوایا۔

بکاولی بھی بہنوں کی طرح بہرام کے ساتھ گئی اور ٹونے ٹوٹکے کرتی ہوئی اس کی طرف سے خوب جھگڑی۔ پھر آرسی مصحت دکھایا اور دولھا کو دولہن کا جھوٹا شربت پلایا۔ اس کے بعد مظفر شاہ اور حسن آرا نے روح‌افزا کو بہت سا جہیز نقد و جنس، لونڈی غلام دے کر بہ تجمل تمام رخصت کیا۔

برات کو اسی رونق سے فیروز شاہ اور تاج‌الملوک لیے ہوئے شاد اور خرم جزیرۂ ارم میں داخل ہوئے۔ کئی دن وہاں چہل رہی، پھر بکاولی اور تاج‌الملوک روح‌افزا اور بہرام کو اسی طمطراق سے لے کر ملک نگاریں کو روانہ ہوئے، تھوڑے عرصے میں جا پہنچے۔

پھر بہرام کے ماں باپ کو بلوا کر تمام قصہ کہ کر سنایا

اور دونوں کا دیدار دکھایا ۔ وہ بہو بیٹے کو دیکھ کر بہت شاد ہوئے اور بکاولی کے جان و دل سے ممنونِ احسان ہوئے ۔

مِن بعد وزیر نے مجلسِ نشاط کی وہاں تیاری کی، بادشاہ کو جا کر لے آیا اور جتنے چھوٹے بڑے امیر تھے ان کو بھی بلایا ۔ جس قدر اہلِ طرب شہر میں تھے ، ان کو طلب کیا ۔ غرض کئی دن تک ناچ راگ کی صحبت رہی ، مہمان داری بخوبی کی ۔ بادشاہ اور بادشاہ زادے کے حضور میں سیکڑوں کشتیاں جواہر اور پوشاک کی رکھیں اور محل بھی اسی قبیل سے بھجوائیں ۔ انعام و اکرام لوگوں کو بہت سا دیا ، نقد و جنس بے شمار بانٹا ۔ اس کے بعد حضرت اعلیٰ قلعہ مبارک میں تشریف لے گئے ۔ سب مہمان بھی رخصت ہوئے ۔

پھر بکاولی نے حمالہ کو کہلا بھیجا کہ جلد میرے باغ اور محل کو اکھڑوا کر یہاں لے آؤ ۔

وہ دو چار ہی دن کے عرصے میں لے کر پہنچی، فی‌الفور متصل اپنی دولت سرا کے نہایت آراستگی کے ساتھ قائم کر کے روح‌افزا اور بہرام کے حوالے کیا ۔

الحمدللہ خدا کے فضل سے سب شاد ہوئے اور بخوبی آباد ہوئے ۔

### شعر

غرض جس طرح سے کیا ان کو شاد
ہماری بھی دے یا الٰہی مراد

تاریخ سال ہجری :

یہ قصہ ہوا جب بخوبی تمام
تو پھر فکرِ تاریخ تھی صبح و شام

اچانک سنی میں نے آواز غیب
کہ ہے مذہبِ عشق تاریخ و نام

تاریخ سن عیسوی :

ہوئی پھر یہ خواہش کہ کلک و زبان
کریں عیسوی سال کو بھی بیان
تو پھر ہاتفِ غیب نے دی صدا
کہ اس مذہب عشق میں کوئی آ
کرے مشرب جام گر اختیار
تو راز نہاں اس پہ ہو آشکار

تمت

ناظرین پر روشن ہو کہ تھوڑا سا احوال شاہجہان کے بادشاہ ہونے کا آخر کتاب میں تھا - مترجم نے اس کو مع حکایت کے جو اس کے مطابق تھی ، اس واسطے ترجمہ نہ کیا کہ وہ خلاف شاہجہان نامے کے نکلا - شاید مصنف نے سنا سنایا لکھا تھا و الّا اتنا فرق نہ ہوتا - جس کو مفصل اس کا دریافت کرنا ہو وہ اصل کتاب کے آخر کو اور شاہجہان نامے کے اس مقام کو ، جہاں وہ احوال ہے ، ملاحظہ کرے -

# صحت نامۂ اغلاط (فہرست)

ادارہ کتاب کے فاضل مرتب اور قارئین کرام سے طباعت کی اغلاط کے لیے معذرت خواہ ہے ، براہ کرم مطالعے سے پہلے تصحیح فرما لیجیے -

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۲ | ۳ | ۳۰ | ۳۱ |
| ۲ | ۵ | اور چھین لینا گل مقصود کا | اور چھین لینا گل بکاولی کا |
| ۲ | ۱۵ | ۸۵ | ۵۸ |
| ۳ | ۵ | پندھرویں داستان | پندرھویں داستان |
| ۴ | ۳ | تاج الملوک کے سنگلدیپ میں پہنچنے کی | تاج‌الملوک کی سنگلدیپ میں پہنچنے کی |
| ۴ | ۷ | اور کھودنے میں دیر کے جس میں بکاولی تھی | اور کھودنے میں دھری کے جس میں بکاولی تھی |
| ۴ | ۲۲ | ہجری و عیسوی از تصنیف نہال چند | ہجری و عیسوی من تصنیف نہال چند |

# صحت نامۂ اغلاط (مقدمہ)

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| ۲ | ۲ | ۱۲۲۴ | ۱۱۲۴ |
| ۲ | ۲ | اردو یا دکی زبان میں | اردو یا دکنی زبان میں |
| ۲ | ۱۹ | رام بابو سکسنہ | رام بابو سکسینہ |
| ۲ | ۲۲ | ڈاکٹر گیان چند حبن | ڈاکٹر گیان چند جین |
| ۲ | ۲۲ | پی-ایچ-ڈی کے لیے مقالے | پی-ایچ-ڈی کے لیے اپنے مقالے |
| ۳ | ۲۴ | باغ و بہار | باغ بہار |
| ۳ | ۲۴ | ۱۲۱۲ھ | ۱۲۱۱ھ |
| ۵ | ۸ | لا تعداد شعار | لا تعداد اشعار |
| ۵ | ۱۶ | کسی حد تک درست | کس حد تک درست |
| ۶ | ۲۳ | نثری حصے کے | نثری قصے کے |
| ۷ | ۱۷ | المتخلص ریحان لکھنوی | المتخلص بہ ریحان لکھنوی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۹ | ۴ | ردبک کی نظر ثانی | روبک کی نظر ثانی |
| ۹ | ۷ | ۱۸۷۳ء | ۱۸۴۳ء |
| ۹ | ۸ | سحرالبیان کے ساتھ شایع کیا ۔ مطبع دارالاسلام دھلی سے | سحرالبیان کے ساتھ شایع کیا کلکتے سے ۱۸۳۶ء میں ، مطبع دارالاسلام دھلی سے |
| ۹ | ۱۴ | ۱۸۷۷ء | ۱۸۸۷ء |
| ۹ | ۱۹ | ۱۷۸۹ء | ۱۸۸۹ء |
| ۹ | ۲۲ | انڈرسن سے کیا تھا | انڈرسن نے کیا تھا |
| ۹ | ۲۶ | رومن ہندوستان میں | رومن ھندوستانی میں |
| ۱۰ | ۲۰ | مستمد | مستمند |
| ۱۰ | ۲۵ | دونوں نسخہ جات | دونوں مخطوطات |
| ۱۱ | ۲۲ | اس شوریدۂ جانکاہ کا | اس شوریدہ جان کا |
| ۱۱ | ۲۶ | کاندھے | کاندھے پر |
| ۱۲ | ۱ | اور کبھی میری گود میں | اور کدھی میری گود میں |
| ۱۲ | ۸ | تد وہ قصہ | تد وُو قصہ |
| ۱۲ | ۱۰ | خواھش اس سمند کو | خواھش اس مستمند کو |
| ۱۲ | ۱۴ | اس نو بادۂ باغ دل | اس نو باوۂ باغ دل |
| ۱۳ | ۱۵ | نشیب و فراز پر نظر پڑے | نشیب و فراز دیکھیں |
| ۱۳ | ۱۶ | وھاں صلاح کے قدم سے ھموار کر دیں | وھاں اصلاح کے قلم سے ھموار کر دیں |
| ۱۵ | ۵ | مظھر علی درد | مظھر علی ولا |
| ۱۵ | ۱۴ | بھگل نکالنا | بھکل نکالنا |
| ۱۶ | ۲ | باقائدہ زبان لکھی ھے | باقاعدہ زبان لکھی ھے |
| ۱۷ | ۲۲ | یہ دیو حالہ دیونی کا | یہ دوسرا دیو حالہ دیونی کا |
| ۱۸ | ۱۴ | علامت کے طور ان کے | علامت کے طور پر ان کے |
| ۱۸ | ۲۱ | جاتے ھونے تاج الملوک | جاتے ھوئے تاج الملوک |
| ۱۸ | ۲۵ | بکاولی بھی بیدار ھوئی | بکاولی بھی خواب سے بیدار ھو گئی |
| ۱۹ | ۳ | بلکہ وہ اس گلچین | بلکہ وہ گلچین |
| ۲۰ | ۳ | تاج الملوک کو صحرائے طلسم میں | تاج الملوک کو تو صحرائے طلسم میں |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۲۲ | ۲۰ | ایک دوسرے ہے علیحدہ | ایک دوسرے سے علیحدہ |
| ۲۳ | ۹ | تنوع اور حدت | تنوع اور جدت |
| ۲۴ | ۱۴ | سخت سخت مصیبتیں | سخت سے سخت مصیبتیں |
| ۲۶ | ۶ | ادھرگ پرو | ادھوک پرو |
| ۲۶ | ۱۵ | کہانی میں بھی جنس بدلنے | کہانی میں جنس بدلنے |
| ۲۶ | ۲۲ | لے جانا کوئی بات نہیں | لےجانا کوئی نئی بات نہیں |
| ۲۷ | ۲ | اس داستان سے پہلے سے | اس داستان سے بہت پہلے سے |
| ۲۷ | ۶ | Originlaity | Originality |
| ۲۸ | ۱۸ | مولموی سید محمد اسماعیل ڈانسوی | مولوی محمد اسماعیل ڈاسنوی |
| ۲۸ | ۲۰ | مطبوعہ گلزار محمدی ۱۸۹۵ء | مطبوعہ مطبع گلزار محمدی میرٹھ ۱۸۹۵ء |
| ۲۸ | ۲۵ | موجود رہنا بتایا جاتا ہے | موجود ہونا بتایا جاتا ہے |
| ۲۹ | ۲ | لڑی بڑی | بڑی بڑی |
| ۳۰ | ۸ | وہ انہیں الفاظ میں | وہ انہیں کے الفاظ میں |
| ۳۱ | ۶ | چونکہ دختر نیک اختر | چونکہ یہ دختر نیک اختر |
| ۳۲ | ۳ | کی نظر کرتے ہیں | کی نذر کرتے ہیں |
| ۳۲ | ۷ | ایک جھیل کے | اس جھیل کے |
| ۳۲ | ۱۲ | یہ چھوٹا سا قلعہ | یہ چھوٹا قلعہ |
| ۳۳ | ۱ | گزری۔ اس کی دانشمند بیوی | گزری، مگر اس کی دانشمند بیوی |
| ۳۴ | ۶ | بھنورے کی طرح | بھونرے کی طرح |
| ۳۴ | ۲۵ | میرے سرا دوسرا بلبل | میرے سوا دوسرا بلبل |
| ۳۵ | ۱۲ | پھیروں کے واسطے منگائی جائے گی | پھیروں کے واسطے بٹھائی جائے گی |
| ۳۵ | ۲۵ | الغرض اس وقت | الغرض اسی وقت |
| ۳۶ | ۲ | بکاولی کا حوض | بکاولی کا باغ |
| ۳۶ | ۸ | ہلادے کا | ہلدوے کا |
| ۳۶ | ۱۰ | آنکھوں کے جملہ امراض چشم کے حق میں | آنکھوں کے جملہ امراض کے واسطے مفید ہے، اسی طرح ہلدوے کا |

| | | | |
|---|---|---|---|
| | | | پھول بھی جملہ امراض چشم کے حق میں |
| ۳۷ | ۱۸ | قلعے کی دیواروں میں ٹکر کھا کر | قلعے کی دیواروں سے ٹکر کھا کر |
| ۳۷ | ۲۴ | اگر کوئی اس کی همت کرے | اگر کوئی رئیس همت کرے |
| ۴۱ | ۱ | مخزونه از کتاب خانه جامعه پنجاب | مخزونه کتاب خانه جامعه پنجاب |

## صحت نامۂ اغلاط (متن کتاب)

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴ | ۱۶ | نو بادۂ باغ | نوباوۂ باغ |
| ٦ | ٦ | اور یادگار تیری کا ہوگا | اور یادگاری تیری کا ہوگا |
| ٦ | ۸ | فلاطون فطنیت | فلاطون فطنت |
| ٦ | ۹ | مارکوئس ولیزلی | مارکوئس ولزلی |
| ٦ | ۱۷ | اصلاح کی قلم سے | اصلاح کے قلم سے |
| ۸ | ۱۷ | چار بیٹوں کے جانے میں | چاروں بیٹوں کے جانے میں |
| ۹ | ۲۲ | دشت آورگی | دشت آوارگی |
| ۱۴ | ۸ | پیشانیٔ نازنیں په اس سے | پیشانیٔ نازنیں په اس کے |
| ۱۷ | ۹ | طشت از بام اگر | طشت ازبام افتاده ہو؛ اگر |
| ۱۸ | ۲ | یه فکر پھیلایا | یه مکر پھیلایا |
| ۱۸ | ۱۵ | هیئت سے | هیبت سے |
| ۱۸ | ۲۱ | آپ ہٹ کر نیچے بیٹھی | آپ ہٹ کر پیچھے بیٹھی |
| ۱۸ | ۲۵ | کھیلنے کا بڑا شوق ہے | کھیلنے سے بڑا شوق ہے |
| ۲۰ | ۷ | جو اس کے خزانے میں تھے | جو اس کے نقد خزانے میں تھے |
| ۲۰ | ۱۰ | تیرے پاس | تو تیرے پاس |
| ۲۳ | ۳ | بزرگی دے دی ہے | بزرگی دی ہے |
| ۲۷ | ۳ | تو نہیں واقف هی حیلے سے | تو نہیں واقف ہے حیلے سے |
| ۲۷ | ۱۱ | دیکھنے والا مادی مجرد کا نه تھا | دیکھنے والا مادی اور مجرد کا نه تھا |
| ۲۹ | ۱۰ | میں رزاق کے | میں اپنے رزاق کے |
| ۲۹ | ۲۲ | مجھ پر اس ساعت | مجھ پر ایک ساعت |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۳۰ | ۱۹ | پھر ہر روز کچی پکی روٹی | پھر ہر روز اپنے کھانے کے موافق کچی پکی روٹی |
| ۳۱ | ۷ | مارے خوشی سے اچھل اچھل کر | مارے خوشی کے اچھل اچھل کر |
| ۳۲ | ۵ | سیر کا سودا ہے | سیر کا سودا ہوا ہے |
| ۳۳ | ۱۹ | تو شا یہ کامیاب ہو | تو شاید یہ کامیاب ہو |
| ۳۸ | ۴ | ناچتے ہوئے | ناچتی ہوئی |
| ۳۸ | ۱۶ | اس کے اطراف کے ناردانوں میں | اس کے اطراف کی ناودانوں میں |
| ۳۹ | ۷ | کرتی اوپر کو سرکی ہوئی | کرتی سرکی ہوئی |
| ۳۹ | ۱۱ | اس کی چشم مست سے | اس کی چشم سیہ مست سے |
| ۴۰ | ۱۳ | اپنے مکان پر آ پہنچا | اپنے مکان میں آ پہنچا |
| ۴۱ | ۱۴ | رہیں اور | رہیے اور |
| ۴۱ | ۱۴ | جدائی کا غم سہیں | جدائی کا غم سہیے |
| ۴۲ | ۳ | اے دختر باتمیز اور اے | اے دختر باتمیز و اے |
| ۴۵ | ۴ | نزدیک کی راہ سے | تری کی راہ سے |
| ۴۵ | ۲۲ | فوراً وہ بینا ہو گیا | فوراً وہ نابینا بینا ہو گیا |
| ۴۷ | ۱۳ | حوض کے کنارے پر | جب حوض کے کنارے پر |
| ۴۸ | ۶ | حسب حال پڑھنے لگی | حسب حال پڑھتی |
| ۵۰ | ۱ | پھر دریا کنارے جا کر | پھر دریا کے کنارے جا کر |
| ۶۳ | ۱۷ | خوشی خوشی | خوشی بہ خوشی |
| ۶۳ | ۱۹ | ایک لمحہ تو فکر میں ڈوبا رہا | ایک لمحہ تو بحر فکر میں ڈوبا رہا |
| ۶۵ | ۱۲ | لاٹھی بھی نہ ٹوٹے | لاٹھی نہ ٹوٹے |
| ۷۱ | ۲۰ | ٹھٹھک رہیں | ٹھٹک رہیں |
| ۷۶ | ۱ | میری برق اشتیاق | یا میری برق اشتیاق |
| ۷۶ | ۱۹ | القصہ بکاولی نے | القصہ جب بکاولی نے |
| ۷۸ | ۱۲ | کواری تھتھکاری | کواری بھٹکاری |
| ۷۹ | ۳ | چار ناچار | چارو ناچار |
| ۸۳ | ۲ | شہزادہ صنعت خالق کی | شہزادہ یہ صنعت خالق کی |
| ۸۳ | ۲۵ | اس طرف کو | اسی طرف کو |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۸۳ | ۳ | شام کے وقت اپنے درخت پر | شام کے وقت درخت پر |
| ۸۳ | ۱۰ | سر پٹک پٹک مر گئے | سر پٹک پٹک کر مر گئے |
| ۸۳ | ۱۱ | اور مہرۂ نورانی | اور وہ مہرۂ نورانی |
| ۸۷ | ۵ | نو بچا ہے | تو بجا ہے |
| ۸۷ | ۱۱ | لوگ اپنے جان لے کر | لوگ اپنی اپنی جان لے کر |
| ۸۸ | ۲ | پھر مرد ھوا | پھر مرد تو ھوا |
| ۹۱ | ۱۱ | ایک مدت کے بعد | مگر مدت کے بعد |
| ۹۲ | ۲۳ | خون سے کیوں ھاتھ بھروں | خون سے کیا ھاتھ بھروں |
| ۹۳ | ۱۰ | عصا دیو کی | عصا ایسا دیو کی |
| ۹۳ | ۱۶ | اسی میدان میں | اس میدان میں |
| ۹۳ | ۲۳ | یہ تیغ اس کی | پہ تیغ اس کی |
| ۹۵ | ۳ | اور آنا گل بکاولی کا | اور آنا بکاولی کا |
| ۹۵ | ۱۳ | وھاں جانے سے غنچۂ دل | وھاں کے جانے سے اس کا غنچۂ دل |
| ۹٦ | ۲۳ | تم پر بھپ گئی | تم پر پھب گئی |
| ۹۷ | ۲۰ | اختیار کی بھاگ | اختیار کی باگ |
| ۹۸ | ۵ | اپنا ننھا جوڑا | اپنا ننھا سا جیوڑا |
| ۹۹ | ۱ | پھر دیکھ کر پردہ غیب سے | پھر دیکھ کہ پردۂ غیب سے |
| ۱۰۰ | ۱۱ | اور غیر کے واسطے | اور غیر جنس کے واسطے |
| ۱۰۱ | ۲۳ | پہلو میں بیٹھا | پہلو میں بٹھا |
| ۱۰۳ | ۲۰ | پریوں کے غول چاروں طرف | پریوں کے غول کے غول چاروں طرف |
| ۱۰٦ | ۱۸ | دل بنگلا تھا | دل بنگلا بنا تھا |
| ۱۰۷ | ۲۳ | دلھن ملنے کے لیے گود میں آٹھا کر | دلھن کو ملنے کے لیے گود میں آٹھا کر |
| ۱۱۰ | ۲۰ | اپنے بیگانے سے اسے نفرت ھے | اپنے بیگانے سے اس کو نفرت ھے |
| ۱۱۲ | ۷ | اور اپنا جی ٹھنڈا کرتی | اور اپنے جی کو ٹھنڈا کرتی |
| ۱۱۲ | ۲۰ | نت جلنے کی ندت | نت جلنے کی لذت |
| ۱۱۲ | ۲۳ | گئی ھوئی تھی | گئی تھی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۱۳ | ۶ | مگر اس تحقیقات کے واسطے | مگر اس کی تحقیقات کے واسطے |
| ۱۱۳ | ۶ | اپنی انگلی | اپنی ایک انگلی |
| ۱۱۳ | ۱۱ | پایا پکڑ کر | پایہ پکڑ کر |
| ۱۱۳ | ۲۱ | دنگ رہ گیا | دنگ ہو کر رہ گیا |
| ۱۱۳ | ۲۶ | اپنے بدن کو | اور اپنے بدن کو |
| ۱۱۴ | ۵ | مجلس میں چلی آئی | مجلس میں آئی |
| ۱۱۴ | ۹ | اچھی طرح بجا نہ سکتا تھا | اچھی بجا نہ سکتا تھا |
| ۱۱۴ | ۱۵ | خواہش کے مطابق بجانے لگا | خواہش کے موافق بجانے لگا |
| ۱۱۴ | ۱۶ | ایسی ہوئی | ایسی بڑھی |
| ۱۱۵ | ۱۱ | خواب خیال ہے | خواب و خیال ہے |
| ۱۱۵ | ۱۷ | ہو ہو کر کہ سنایا | ہو ہو کہ کر سنایا |
| ۱۱۸ | ۱۸ | سو ہو جائے گا | سو ہوئے گا |
| ۱۱۹ | ۶ | جو مشہور و معروف تھے؟" برہمن نے بتا دیے | جو مشہور و معروف تھے، برہمن نے بتا دیے (دونوں پیروں کو ملا کر پڑھیئے) |
| ۱۱۹ | ۱۳ | پھر رات گزری | پھر رات جب گزری |
| ۱۲۰ | ۱۴ | مہ پارا | مہ پارہ |
| ۱۲۱ | ۲ | کالی کی | مالی کی |
| ۱۲۱ | ۱۳ | عشق کا تیر دل سے | عشق کا تیر اس کے دل سے |
| ۱۲۱ | ۱۹ | منہ میں رہنے دیا | منہ پر رہنے دیا |
| ۱۲۲ | ۱۰ | اور ہر ایک نگاہ سے | اور ایک نگاہ ناز سے |
| ۱۲۲ | ۱۹ | اور افسر سلاطین سے | اور نام میرا افسر سلاطین سے |
| ۱۲۲ | ۲۰ | کر کے | کر لے |
| ۱۲۲ | ۲۰ | مجھ سے سودائی | اور مجھ سے سودائی |
| ۱۲۵ | ۱ | تئیسواں | تیئیسواں |
| ۱۲۷ | ۱۴ | اور ان نے بھی | اور انھوں نے بھی |
| ۱۳۲ | ۱ | دل میں کہتی | دل میں کہتی تھی |
| ۱۳۲ | ۱ | یہ طرفہ ماجرا کیا ہے | یہ طرفہ ماجرا ہے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ١٣٩ | ٢٣ | ملاخطه کرے | ملاحظه کرے |
| ١۴١ | ٦ | ایک رنڈی پیکر | ایک رنڈی پری پیکر |
| ١۴٢ | ١٨ | جواب نه سوجھا | جواب معقول نه سوجھا |
| ١۴٣ | ٣ | بہرم | بہرام |
| ١۴٣ | ٨ | خلافت پیغمبر | پیغمبر |
| ١۴۴ | ١٦ | که خدا کی پیروی کرو | که خصائل خدا کی پیروی کرو |
| ١۴٦ | ١٩ | سچ که یه کیا ماجرا ہے | سچ بتا که یه کیا ماجرا ہے |
| ١٥٠ | ٢ | وہاں کی سیر کریں | وہاں کی بھی سیر کریں |
| ١٥٠ | ١٦ | جا اتری | جا کر اتری |
| ١٥٣ | ٨ | اور محل بھی اسی قبیل | اور محل میں بھی اسی قبیل |
| ١٥۴ | ١۷ | ملاحذہ کرے | ملاحظه کرے |

مجلس ترقی ادب لاہور